رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۲۹۸

سلسلہ عالیہ احمدیہ کا سب سے پہلا مشہور و معروف اخبار جسکو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا ایک بازو قرار دیا

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

اخبار الحکم قادیان

ہفتہ وار

دور جدید

مدیر اعلیٰ شیخ یعقوب علی تراب احمدی عرفانی — مدیر مسئول شیخ محمود احمد عرفانی مجاہد مصری

چندہ سالانہ
حکومت اور والیان ریاست سے ۲۵/
امراء و رؤساء سے ۱۰/
معاونین سے ۷/
عوام سے ۵/
ممالک غیر سے ۱۲/

الحکم مدینۃ المسیح قادیان دارالامان سے ہر ماہ عیسوی کی ۷-۱۴-۲۱-۲۸ تاریخ کو خدا کے فضل سے شائع ہوتا ہے۔

قیمت فی پرچہ ۲/

جلد ۴۱ | مورخہ ۷ و ۱۴ ار جون سنہ ۱۹۳۸ء | نمبر ۱۸ و ۱۹

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی سابق ہریش چند موہیال کے اسلام قبول کرنیکے ایمان افروز حالات

(کی قسط دوئم)

اور حضرت سیدنا مسیح موعود علیہ السلام کی پاکیزہ صحبت کے اثرات اور اسلام کی قوت اور نور کے تذکرہ کے علاوہ ہندو جاتی سے ایک درد مندانہ اپیل

یہ پرچہ بھی ڈبل کر دیا گیا ہے

خیال تھا۔ کہ مضمون اخبار کے آٹھ صفحوں میں ختم ہو جائیگا۔ مگر مضمون بڑھ کر پانچ کالموں تک پہنچ گیا۔ اور اس طرح مجبوراً اس اخبار کو بھی دو نمبروں کا مجموعہ بنانا پڑا۔ امید ہے کہ احباب اس قیمتی مجموعہ کو حاصل کر کے ایمانی لذت محسوس کریں گے۔ اور پرچہ کے ڈبل کر دینے پر ناراض نہیں۔ بلکہ خوش ہونگے۔

اعتذار

افسوس ہے۔ کہ مسجد مبارک کا نقشہ وقت پر تکمیل نہ ہو سکنے کی وجہ سے اب بھی شائع ہونے سے رہ گیا ہے۔ جو آئندہ کسی اشاعت میں انشاء اللہ شائع کر دیا جائیگا۔

رواداری کی اچھی مثال

بابو عبدالقادر صاحب اپڈسٹل کلرک قادیان جو باوجو غیر احمدی ہونے کے احمدیوں میں بھی وسیع حلقۂ احباب رکھتے ہیں نے یکم جون بروز بدھ بعد نماز مغرب ایکسو کے قریب احمدی احباب کو اپنے بیٹے عزیز منیر احمد کی دعوت ولیمہ پر مدعو کیا۔ اور جن گھرانوں سے اُن کے تعلقات خاص تھے۔ اُن کو بال بچوں سمیت مدعو کیا۔

اُن کی اس رواداری کو نہایت پسندیدگی کی نگاہ سے مدعوین نے دیکھا۔

اللہ تعالےٰ سے دعا ہے۔ کہ وہ اس تعلق کو مبارک کرے۔ آمین

میں صدق دل سے بابو عبدالقادر صاحب کو اس تقریب سعید پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں باہتمام شیخ محمود احمد عرفانی پرنٹر و پبلشر چھپکر دفتر اخبار "الحکم" نواب منزل قادیان سے شائع ہوا۔

مکتوبات احمدیہ

(بقیہ صفحہ ۱۹)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مبلغ ایک روپیہ پہونچ گیا۔ جزاکم اللہ خیراً کثیراً

انشاء اللہ العزیز دعا کروں گا۔ مرزا غلام احمد

(۶)

یہ اور اس قسم کی اور بہت سی مثالیں ہیں۔ جن سے حضورؑ کے اعلیٰ اخلاق کے اس پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔ کہ ہمارے آقاء نامدار کیسے قدر دان اور شکور تھے۔ کہ حقیر سی رقوم اور ادنیٰ ادنیٰ ہدایا کو خوشی سے قبول فرماتے۔ اور اس طرح غرباء اور کم استطاعت غلاموں کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مبلغ آٹھ روپیہ پہنچ گئے۔ جزاکم اللہ خیراً

انشاء اللہ دعا کروں گا۔ ہمیشہ اپنے حالات خیریت سے اطلاع دیتے رہیں۔ والسلام

مرزا غلام احمد

(۷)

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دستی تحریر جو مکرمی حضرت قاضی سید امیر حسین صاحب مرحوم کی درخواست دعا کے جواب میں حضور علیہ السلام نے ارقام فرمائی مجھے قاضی صاحب مرحوم و مغفور کے داماد سید محمد علی شاہ صاحب سے ملی جوانہوں نے اپنے نسبتی بھائی قاضی سید نذیر حسین شاہ صاحب سے بصد حرص حاصل کر کے تبرکاً اپنے پاس رکھی ہوئی تھی۔

"عبدالرحمٰن قادیانی"

حضور اقدس سلمہ اللہ تعالےٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میرا لڑکا سمنت بیمار ہے۔ پیچش اور خون اس کو جاری ہے۔ کوئی دوائی اس کو فائدہ نہیں کرتی۔ اب اس کی والدہ دوائی سے نفرت کرتی ہے اور اس کو بہت اضطراب ہو رہا ہے۔ حضور نوازش فرما کر اگر توجہ سے دعا کریں۔ تو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ شفا بخشے گا

"امیر حسین"

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ

خدا تعالےٰ آپ کی لڑکی کو شفا بخشے۔ اور اس کی والدہ کی بے قراری دور کرے۔ آمین۔ میں کئی دفعہ دعا کرونگا۔ کل مجھے اضطراری طور پر لاہور کا سفر پیش آگیا ہے۔ اگر کلوراڈین کے دو قطرے دیئے جائیں۔ تو اس سے بھی خون بند ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ بہت ضعف نہ ہو۔ والسلام

مرزا غلام احمد

۸

حضور پُرنور کی یہ تحریر اس رحمت و شفقت اور ذرہ نوازی کا ایک نمونہ اور اس عطا و سخاء کی ایک جھلک اپنے اندر رکھتی ہے جو حضور علیہ السلام مجھ جیسے ادنےٰ ترین اور ناکارہ و کس مپرس غلام کے حال پر فرماتے تھے۔

۱۴ مئی ۱۹۰۸ء کو گھر کی بعض اطلاعات کی بنا پر میں نے ایک عریضہ حضرت آقائے نامدار کے حضور پیش کیا۔ جس کا جواب یہ ہے۔ (بقیہ صفحہ ۲۰ پر دیکھیں)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ رضؓ

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کے اسلام لانیکے نہایت پاکیزہ اور پُر درد حالات

(حصّہ دوم)

قادیان میں دوبارہ آمد

اس طرح پھر ایک مرتبہ مجھے میرے ربّ کریم نے میرے آقائے نامدار سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کے انفاس قدسیہ اور توجہات کریمانہ کی طفیل نہنگ کفر وضلالت کے آہنی پنجہ سے نجات دے کر حضورؑ کے قدوم میمنت لزوم میں پہنچا کر نوازا۔ اور مجھے یہ سعادت عطا فرمائی کہ میں حضورؑ پُرنور ہی کا ہو گیا۔ کیونکہ حضورؑ نے فرمایا تھا۔

"ہمارا ہے۔ تو آجائیگا۔"

سو الحمدللہ۔ الحمدللہ۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ مجھے میرے مولا نے حضورؑ کی خدمت میں پہنچا کر حضورؑ کا بنا دیا۔ اس فضل اور اس احسان و ذرہ نوازی پر میں جس قدر بھی شکر بجا لاؤں۔ جتنے بھی سجدات کروں۔ جتنے بھی اُس کی حمد و ثنا کے گیت گاؤں میں شکر ونعمت کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ میرے جسم کا ہر ذرہ قرناً بعد قرنٍ بھی اگر اسی خدمت کی بجا آوری پر لگا رہے۔ تو ناممکن ہے۔ کہ اس کے فضل بے پایاں کے بحرِ ناپیدا کنار میں سے ایک قطرہ بھر کا بھی شکر ادا کر سکوں۔

مَیں قادیان پہنچا۔ کمہاروں کے محلّہ کے غربی جانب سڑک پر ہی یکہ سے کود پڑا۔ اور جلد جلد قدم اٹھاتے ہوئے مہمان خانہ سے متصل موڑ پر پہنچا تھا۔ کہ میرے بعض پُرانے دوستوں اور بزرگوں نے مجھے دیکھ لیا۔ وفورِ محبت میں گلے لگایا۔ اور لمبی جدائی کے صدموں اور مفارقت کے داغوں کو طرفین نے اپنی آنکھوں کے پانی سے دھویا۔ مرحبا اور جزاک اللہ کی دعائیں، شاباش اور مبارکباد کی صدائیں کچھ اس طرح فضا میں گونجنے لگیں کہ آن کی آن میں سارا ڈیرہ میرے گرد جمع ہو گیا۔ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر یوں اظہارِ محبت و اخوت کرنے اور خوشی و ہمدردی جتانے لگے۔ کہ حقیقی بھائی بہنوں میں بھی شاذ ہی ایسا نظارہ دیکھنے میں آتا ہو۔ ایک ایک کر کے میں ہر ایک سے ملا۔ اور ہر کسی نے مجھے محبت و عزت سے دیکھا اور گلے لگایا۔ حضرت مولانا مولوی نورالدین اعظم رضؓ اپنے مطب میں تشریف فرما تھے۔ میرے آجانے کی اطلاع کسی دوست نے میرے پہنچنے سے قبل اُن تک پہنچا دی تھی۔ میرے سلام کے جواب میں سرو قد کھڑے ہو گئے۔ اور نہایت شفقت سے گلے لگا کر دعائیں دیں۔ اور محبت سے اپنے پاس بٹھا لیا۔ کسی گہرے خیال اور پُرانی بات کے تصوّر میں حضورؑ سمیت ساری مجلس پر ایک سکتہ کا عالم تھا۔ اور ابھی کوئی بات شروع نہ ہونے پائی تھی۔ کہ مسجد مبارک کی بلندی سے اللہ اکبر اللہ اکبر کی پُرجلال ندا نے اس خموشی اور سکوت کو توڑا۔ اور مجلس نماز کی تیاری کے لئے برخاست ہو گئی۔

میں جلد جلد وضو کر کے مسجد مبارک میں پہنچا۔ ظہر کی نماز سفر کی وجہ سے ابھی باقی تھی۔ وہ ادا کی اور اس نماز سے فارغ ہی ہوا تھا۔ کہ حضرت مولانا مولوی عبدالکریمؓ صاحب تشریف لے آئے۔ میں نے سلام کیا۔ بہت محبّت سے ملے اور مجھے دیکھ کر اپنی عادت کے مطابق بہت ہی خوشی کا اظہار فرمایا۔ اور کچھ ایسے رنگ میں میرے واپس آجانے کے عمل کی تعریف فرمائی۔ کہ اس کا ذکر کرنے سے بھی شرماتا ہوں۔ میرے حالات پوچھ ہی رہے تھے۔ کہ خدا کے برگزیدہ مسیح موعودؑ جری اللہ فی حلل الانبیاء بیت الفکر سے مسجد مبارک میں تشریف فرما ہوئے۔ میں جوشِ نیازمندی اور محبت و عقیدت میں آگے بڑھا۔ مصافحہ کیا۔ ہاتھوں کو چوما۔ اور قدموں میں گر کر داغِ مفارقت کو دھویا۔ حضورؑ نے دستِ شفقت سے نوازا۔ اور بلطف سے اٹھایا۔ اور فرمایا۔ (مفہوم میرے اپنے الفاظ میں)

"آپ آگئے بہت اچھا ہوا۔ آپ کے والد صاحب نے وعدہ کا پاس نہ کیا۔ اور آپ کو روک کر تکلیف میں ڈالا ہمیں بہت فکر تھی۔ مگر شکر ہے۔ کہ آپ کو اللہ نے ثابت قدم رکھا۔ اور کامیاب فرمایا۔ مومن قول کا پکّا اور وفادار ہوتا ہے۔"

جماعت کھڑی ہو گئی۔ اور حضورؑ نماز کے بعد اندر تشریف لے گئے۔ پھر اُسی روز یا دوسرے دن وہ کاغذ معاہدہ جو حضورؑ نے میرے والد صاحب سے لکھوا کر مجھے اُن کیساتھ چلے جانے کا حکم دیا تھا۔ اور حضورؑ نے اُسے محفوظ رکھا ہوا تھا۔ نکال کر مجھے بھجوا دیا۔ جس کی غرض ظاہر ہے۔ کہ میری تربیت فرمانا اور میرے ایمان کو زیادہ مضبوط بنانا تھی۔

میں پھر خوشی خوشی خدا کے مقدس نبی کی پیاری بستی میں رہنے لگا۔ اوّل اوّل کئی دن بلکہ اکثر حصہ دنوں کا تو اسی داستانِ غم کے دُہرانے اور پوچھنے والوں کو سنانے میں گذر ے۔ آخر چند روز بعد حالات معمول پر آگئے اور گو میرا دل قادیان پُہنچ جانے اور دوستوں اور بزرگوں کے حسن سلوک محبّت بھرے تعلقات کے باعث مطمئن تھا۔ مگر والد صاحب کے تعاقب کی فکر ضرور دامنگیر تھی۔ والد صاحب کی طبیعت اور اپنے خاندانی حالات کے مدّنظر مجھے یہ خدشہ لاحق رہتا تھا۔ کہ وہ لوگ اپنے شکار کو یوں اپنے قبضہ سے بچ نکلنے پر پہلے سے بھی زیادہ تیز اور غضبناک ہو کر میرا پیچھا کریں گے۔ اور میرے حصول کی انتہائی کوشش کریں گے۔ لہٰذا میں اب کی مرتبہ زیادہ ہوشیاری سے رہنے لگا۔ اور اپنی طرف سے ہر ممکن احتیاط کو مدّنظر رکھتا تھا۔ میرے دوست بھائی اور بزرگ بھی میرا خیال رکھنے اور محتاط رہنے لگے۔

اُدھر چند روز کے انتظار کے بعد جب میری واپسی میں تاخیر ہو گئی۔ تو گھر میں گھبراہٹ شروع ہو گئی۔ اور والدین کو پُرانے خدشے تازے ہو کر بے قرار کرنے لگے انہوں نے بذریعہ خطوط ظفروال سے میرے متعلق دریافت کیا۔ مگر جب وہاں سے جواب نفی میں ملا۔ تو وہ بھانپ گئے کہ اُن کا لال پھر اُن کے ہاتھ سے نکل کر قادیان ہی کی سلک میں پرو دیا گیا۔ اِدھر قادیان کے بعض وہ لوگ جنکو اسلام اور مسلمانوں سے خدا واسطہ کی عداوت تھی۔ اور وہ ہمیشہ اس تاک میں رہا کرتے تھے۔ کہ کوئی موقعہ ہاتھ لگے تو ایسا وار کریں۔ جو خالی نہ جائے۔ اور ایسی کاری ضرب لگائیں۔ جس سے یہ سلسلہ نابود اور پاش پاش ہو جائے۔ اور ایسے ہی لوگوں نے پہلی مرتبہ میرے والد صاحب کی امداد و حوصلہ افزائی کی تھی۔ اور گویا انہی کا یہ کارنامہ تھا کہ وہ مجھے قادیان سے واپس بھجوانے میں کامیاب ہو گئے۔ اب یوں مجھے واپس آئے دیکھ کر اُن پر کیسے گذرتی ہوگی اور اُن کے سینوں پر کیونکر سانپ لوٹتے ہونگے جس کے نتیجہ میں وہ خاموش نہ رہ سکے۔ اور فوراً والد صاحب کو میرے پھر قادیان آجانے کی اطلاع کے ساتھ بہت کچھ سخت سُست لکھا۔ اور بے حد غیرت دلائی۔ جس پر والد صاحب نے اب اس معاملہ کو برادری میں پیش کر کے قوم سے مدد مانگی اور پہلے جن امور کو وہ غیرت و حمیّت کے خیال سے ظاہر کرنا بھی پسند نہ کرتے تھے اب علی الاعلان کھول کر سنا دینے پر مجبور ہو گئے جس سے برادری کے بعض اکابر نے اُن کو امداد دینے کا وعدہ کیا۔ اور والد صاحب کو پھر قادیان پہنچکر قادیان کے اُن خاص لوگوں کو اپنی امداد کے لئے تیار کرنے اور اُن سے مشورہ کرنے کو بھیجا۔ چنانچہ والد صاحب کا یہ سفر نہایت خفیہ اور صیغہ راز میں ہوا۔ اور وہ اپنے خیال میں اس مرتبہ پہلے سے بھی

زیادہ مطمئن، خوش اور اپنی کامیابی کے یقین کے ساتھ لوٹے۔ قادیان کے اُن بامذاق لوگوں نے نہ صرف امکان بھر اُن کو مدد دینے کے وعدے کیئے۔ بلکہ اُن کو ایسے مشورے دیئے ایسے طریق بتائے کہ جن کی بنا پر والدصاحب اپنی واپسی کو کامیاب واپسی یقین کرتے ہوئے خوش وخرم چلے گئے تھے۔ اور اس طرح میرے واسطے تعزیز کے جو خیالات انہوں نے ابھی سے سوچنے شروع فرما دیئے اُن کا ذکر گھر میں بھی والدہ سے بے ساختہ ہوگیا۔ تو والدہ محترمہ مارے ماتا کے اس خیال ہی سے تڑپ اٹھیں۔ اور والدصاحب محترم کو ایسے خیالات اور ارادوں سے مقدور بھر روکنے کی کوشش فرمائیں۔ مگر والدصاحب اپنے ننگ وناموس کے خیال اور غیرت وحمیت کے جذبہ کے ماتحت اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے پر اصرار فرماتے رہے۔

ایک روز کرنا خدا کا ایسا ہوا۔ کہ شیخ عبدالعزیز صاحب (نومسلم) اپنا قرآن شریف بغل میں دبائے میرے پاس آئے جہاں میں تلاوت کر رہا تھا۔ اور مجھ سے اصرار کیا۔ اور کہا۔ کہ چلو آج بڑی مسجد میں چل کر قرآن شریف پڑھیں۔ میں چونکہ اُن کے ساتھ ہی رہتا سہتا تھا۔ اُن کے تقاضا کو ردّ نہ کر سکا۔ اور اُن کے ساتھ مسجد اقصیٰ کو اپنا قرآن شریف لے کر چلا گیا۔ اور صحن سے گذر کر درمیانی در اور محراب کے درمیان بیٹھ کر سر سے پگڑی اُتاری اور اس پر قرآن شریف رکھ کر اپنی منزل کی جگہ کو تلاش ہی کر رہا تھا۔ کہ اچانک میری نظر باہر صحن کی طرف اٹھی۔ کیا دیکھتا ہوں۔ کہ

میرے ایک چچا جن کا نام نامی سردار لبا کھ سنگھ یا بوجہ اس کے کہ ان کے کیس نہ تھے۔ لبا کھی رام سامنے کھڑے ہیں جلدی جلدی جوتا اُتارنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جن کو دیکھتے ہی میرا ماتھا ٹھنکا۔ اور میں بھانپ گیا۔ کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ میں نے فورًا قرآن شریف کو بند کیا پگڑی سر پر رکھی۔ اور جوتا جو میرے پاس ہی رکھا تھا اٹھا کر چچا صاحب کی طرف بڑھا۔ اتنے میں وہ بھی جوتا کھول کر صحن میں داخل ہو چکے تھے۔ وسط صحن تک بڑھ کر میں نے سلام کیا۔ انہوں نے چھاتی سے لگا کر پیار کیا۔ اور جب انہوں نے مجھے چھاتی سے جدا کیا۔ میں جلد جلد مسجد کے صحن سے باہر ہوگیا۔ انہوں نے بھی جلدی تو بہت کی۔ مگر جوتا پہننے میں لمحہ بھر دیر ہوئی۔ میں مسجد اقصیٰ کے دروازہ کی طرف لپکا۔ جہاں کیا دیکھتا ہوں کہ شیروں کی مانند تین سفید پوش دراز قد مسلمان جوانمرد کوچہ میں کھڑے ہیں۔ اُن کو میں نے پہچانا۔ اور سیڑھیوں سے اُتر کر اُن میں سے ایک کے ساتھ مصافحہ کیا۔

مگر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے محسوس کیا۔ کہ جس شخص کو میں نے مسلمان سمجھ کر مصافحہ کے لئے ہاتھ دیا تھا۔ اس کی طرف سے مصافحہ کے جواب میں ایک سخت گرفت نمودار ہوئی۔ جس کے ساتھ ہی مجھ پر اس سازش کا انکشاف ہوگیا۔ کیونکہ پاس ہی چوک میں ایک یکہ کھڑا دیکھ لیا۔ اس پر میں نے اس زور سے جھٹکا مارا۔ کہ اس بھاری بھرکم جوان سورما کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ میرا ہاتھ چھوٹ گیا۔ اور میں وہاں سے بے تحاشہ اپنے ڈیرے کی طرف دوڑنے لگا۔

شانِ ایزدی کہ میرے چچا صاحب میرے پیچھے تھے۔ اور تین نوجوانوں نے میرا راستہ یوں روک رکھا تھا۔ کہ ایک چوک کی طرف، دوسرا ہمارے ڈیرہ کو آنے والی گلی میں اور تیسرا بالکل میرے سامنے تھا۔ گویا میں چاروں طرف سے ایسا گھرا ہوا تھا۔ کہ بچ نکلنا ناممکن تھا۔ مگر قربان جاؤں خدائے بلند وبرتر پر کہ اس نے ایسے نازک مرحلہ پر غیب سے میری مدد فرمائی۔ اور دشمن کے نرغہ سے خارق عادت رنگ میں مجھے رہائی بخشی۔ ورنہ اُن کے ارادے ظاہر تھے۔ یکّہ تیار کھڑا تھا۔ پکڑنے اور اٹھا کر یکّہ میں باندھ دینے کے لئے کافی سے زیادہ انتظام تھا۔ بازار پر دشمن کا قبضہ تھا۔ اور حالات واسباب کے لحاظ سے حقیقتہً دشمن بالکل مکمل ساز وسامان سے آراستہ اور میں کمزور بالکل یکہ وتنہا بے یار ومددگار تھا۔ حتّٰی کہ میری فریاد تک کو میرے ہمدردوں تک پہنچانے والا بھی کوئی نہ تھا۔ مگر اس موقعہ پر جو کچھ ظاہر ہوا۔ وہ نہایت درجہ محیر العقول تھا۔ نہ جانیئے مجھ میں اتنی قوت کہاں سے آگئی کہ دشمن کا مکر اور گرفت میرے مقابلہ میں کمزور وہیچ ہوگئی۔ اور وہ سبھی ایسے مرعوب اور سست ہوگئے کہ میں علی رغم الف ان کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ اور وہ کچھ نہ کر سکے۔

میں دوڑا اور خوب دوڑا۔ وہ بھی میرے پیچھے بھاگے۔ اور خوب بھاگے۔ میرے کان آشنا ہیں۔ کہ جب میں ڈپٹی شنکرداس صاحب کی بیٹھک کے برابر سے بھاگ کر نکلا۔ اور میرے پیچھے تین چار بھاگنے والوں کی دبڑ دبڑ کی آواز نے گلی میں ایک شور بپا کر دیا۔ تو اس گھر کے مکینوں (موجودہ دفاتر صدر انجمن احمدیہ والے مکان کے اُس وقت کے مالک وساکنین کا ذکر ہے) نے کھڑکیوں سے سر نکالے اور اس بھاگڑ کو دیکھ کر خوب ہی ہنسی کی۔ اور مذاق اڑایا۔ میری اللہ تعالےٰ نے مدد فرمائی۔ اور میں اُن کے ہاتھ نہ آیا۔ اور جب مسجد مبارک کی کوچہ بندی کے قریب پہنچا۔ تو چچا صاحب بزرگوار نے میرا نام لے کر پکارا اور فرمایا۔ کہ "بات تو سُن لو۔"

میں نے دوڑتے ہی دوڑتے جواب میں عرض کیا۔ کہ

"چچا ابا چند قدم اور آگے آجائیں۔ آپ جو کچھ فرمائیں گے۔ میں سننے کو حاضر ہوں۔"

کیونکہ اِس جگہ سے آگے ہماری اپنی آبادی تھی۔ مگر چچا صاحب محترم نے اس وقت آگے بڑھنا پسند نہ فرمایا۔ اور وہیں سے بے نیل مرام بصد حسرت واپس لوٹ گئے۔

شیخ عبدالعزیز صاحب (نومسلم) میرے یوں اچانک مسجد اقصیٰ سے نکل آنے کی وجہ سے پریشان تھے۔ اور گو میں نے چچا صاحب محترم کو پہلی نظر دیکھتے ہی اُن کو یہ کہتے ہوئے اس خطرہ سے آگاہ کر دیا تھا۔ کہ "بھائی جی جلدی چلو۔ یہاں کچھ خطرہ ہے۔" مگر شیخصاحب بات نہ سمجھ سکے اور مسجد کے باہر کے واقعات کو سنکر اور بھی حیران ہوئے۔ اور چند منٹ بعد میرے پاس آکر سارا ماجرا سُنا۔ اور بہت ہی تعجب کیا۔ اور معذرت کی۔ مگر میں اُن سے واقف تھا۔ اور جانتا تھا۔ کہ اس معاملہ میں اُن کو ہرگز کسی قسم کا دخل نہ تھا۔

ظہر کی نماز کے بعد غالبًا میرے چچا صاحب محترم میرے چھوٹے بھائی عزیز بابو امرناتھ کو لے کر آئے۔ عزیز کو وہ محض اس خیال سے ہمراہ لائے ہوئے تھے۔ کہ اگر اور کوئی حربہ کارگر نہ ہوا۔ تو اس ذریعہ سے مطلب برآری کی کوشش کر سکیں۔ کیونکہ مجھے عزیز سے بہت محبت تھی۔ اور عزیز بھی چونکہ میری گود کا کھلایا تھا۔ اس کو مجھ سے بے حد اُنس تھا۔ چنانچہ ایسا ہوا۔ کہ جب اُن کی پہلی تدبیر بیکار ثابت ہوئی۔ تو عزیز کو (جسے انہوں نے ابھی میرے سامنے نہ کیا تھا) لے آئے۔ عزیز میرے پاس آتے ہی زار وقطار رونے لگا۔ اور اس کی بلبلاہٹ اور چیخ وپکار سے فطرتًا میرا دل بھی بھر آیا۔ مگر میں نے دل کو مضبوط کیا۔ اپنے حواس کو سنبھالا۔ اور دشمن کی اس چال کے شر سے بچنے کے لئے خدا سے مدد مانگی۔ اور اللہ کا فضل تھا۔ کہ خدا اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے بروزِ کامل سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حق نما صحبتوں کے طفیل میں نے اپنے دل کو ہر قربانی کے لئے تیار وکمربستہ پایا مگر باوجود اس کے میرے رفیقوں کو یہ اندیشہ ہوا۔ کہ عبادالرحمٰن رشتہ داروں کی اس چال سے متأثر ہو کر اُن کی طرف جھک جائے۔ انہوں نے میرے ارد گرد بار بار چکر لگانے اور ایسی آیات ایسے اشعار اور ایسے ایسے اقوال بلند آواز سے پڑھنے شروع رکھے۔ جن میں ایسے فتنہ کے مقابلہ کا ذکر اور اُس سے بچنے کی تاکید وتدبیر کا ذکر تھا۔

تھوڑی دیر میں عزیز کی طبیعت بھی سنبھل گئی۔ اور میں نے اس کے بہلانے کے لئے کئی قسم کے سامان مہیا کر لئے اور ہوتے ہوتے آخر عزیز خوش وخرم ہو کر مجھ سے بے تکلف ہوگیا۔ جسے دیکھ کر چچا صاحب کے دل میں کوئی اور خیال آنے لگا۔ جس کے مدّنظر انہوں نے عزیز کو لے جانے کی خواہش کی۔ اور باوجود میرے اصرار کے انہوں نے عزیز کو میرے پاس زیادہ دیر ٹھہرنے کی اجازت نہ دی۔ اور اُسے آخر لے کر چلے گئے۔

عصر کی نماز کے بعد چچا صاحب پھر تشریف لائے مگر تنہا۔ عزیز کو ساتھ نہ لائے۔ شائد یہ خیال ہوگا کہیں اُن کو عزیز کے لئے درخواست کروں گا۔ مگر اللہ تعالےٰ نے میرے دل کو ایک اطمینان اور سکینت بخش دی تھی جس کی وجہ سے میں نے اُن پر اُس محبت کے غلبہ کا اظہار بھی پسند نہ کیا۔ چچا صاحب اس مرتبہ اصل میں میرے پاس تو محض اسی خیال سے آئے تھے۔ کہ عبدالرحمٰن عزیز سے ملنے کی خواہش کریگا۔ تو ہم اس کو یہ کہیں گے۔ کہ ہمارے ڈیرے پر چل کے مل لو۔ مگر میری بے رُخی دیکھ کر وہ مایوس ہوگئے۔ اور جناب مرزا نظام الدین صاحب کے دیوان خانہ میں چلے گئے۔ جہاں مرزا صاحب سے مل کر بہت کچھ کہا سُنا۔ اور چونکہ وہ خود بھی ریٹائرڈ رسالدار تھے۔ مرزا صاحب ان کے ساتھ بہت اخلاق سے پیش آئے۔ چچا صاحب نے نہ معلوم کن کن تعلقات کا ذکر کر

کر کے یا کسی کس طرح مرزا صاحب سے اپنی اصل غرض میں امداد چاہی تھی۔ کہ مرزا صاحب بھی متأثر ہو گئے۔ چنانچہ مرزا صاحب نے مجھے دیوان خانہ میں بلوایا۔ جب میں گیا۔ تو مجھ سے بہت سفارش کی۔ کہ میں اپنے چچا صاحب کے ساتھ ایک مرتبہ پھر چلا جاؤں۔ اور یہاں تک فرما دیا۔ کہ اب کے اگر تم کو کوئی تکلیف ہو۔ تو ہم ذمہ دار ہیں۔ مگر میری طرف سے صاف اور کورا جواب پاکر مرزا صاحب نے بھی زیادہ زور نہ دیا۔ بلکہ میرے چچا مکرم کو صبح کے واقعہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ کہ آپ نے سخت غلطی کی۔ اور بعض مفسد لوگوں کے کہنے میں آکر ایسا قدم اٹھا چکے ہیں۔ کہ اب کسی کوشش کا کارگر ہونا محال نظر آتا ہے۔ آپ اگر جسطرح آئے تھے۔ میرے پاس آجاتے تو میں شائد یوں بھی آپ کی کچھ امداد کر سکتا۔ کہ بھائی صاحب (سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام) کہہ سُن کر یہی لڑکے کو آپ کے ساتھ بھجوا دیتا۔ اور اس طرح جو خلیج غلط فہمی کی وجہ سے پیدا ہو چکی تھی۔ بجائے بڑھنے کے شائد پُر ہو کر تعلقات طرفین کے اچھے ہو سکتے۔

غرض چچا صاحب موصوف اپنی کوششوں میں ناکام رہ کر خالی ہاتھ واپس چلے گئے۔ اور گو مجھے تو پھر نہ ملے۔ مگر میں نے سُنا تھا۔ کہ وہ دو دن تک برابر قادیان کے ایسے لوگوں کے ساتھ صلاح و مشورہ میں مصروف رہے۔ جو منصوبہ بازی اور سازشوں کے عادی اور فسادی تھے۔ میں نے سنا کہ کئی قسم کے منصوبے ہوتے رہے۔ اور داؤ پیچ کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ مگر اللہ کریم نے اُن کو ہر لحاظ سے ناکام رکھ کر مجھے اپنی حفاظت میں رکھا۔ اور اُن کے ہر شر سے بچا لیا۔ ورنہ ان کی یہ کوشش اور حملہ اپنی شدت اور تنظیم کے لحاظ سے اتنا سخت اور اتنی گہری سازش کا نتیجہ تھا۔ کہ اُن کو اس تیر کے خطا جانے کا وہم بھی نہ تھا چچا صاحب مکرم ایک ریٹائرڈ حوالدار ہونے کی وجہ سے جہاں اپنی تدبیر و تجربہ کی پختگی کے باعث اپنی کامیابی کا یقین لے کر گھر سے چلے تھے۔ وہاں وہ اپنے رسوخ و ہوشیاری کے زعم میں بہت بڑے بول اِدّعا اور اقرار و قول بھی کر کے نکلے تھے اُن کو جہاں اپنی ذاتی قابلیتوں اور اثر و رسوخ پر ناز تھا۔ وہاں اپنے ساتھی مسلمان چوہدریوں کی ہمت بہادری اور حُسن تدبیر پر بھی گھمنڈ تھا۔ اور اُن کے علاوہ خود قادیان کے لوگوں کی امداد اور وعدوں نے تو اُن کی خیالی فتوحات اور کامیابیوں کو بالکل ہی اُن کے سامنے غلام بن کر کھڑا کر دکھایا تھا۔ وہ خود لائل پور شہر کے قریب بلکہ اس کی دیواروں سے لگتے ہوئے ایک چک (چک نمبر ۷۹) سے روانہ ہوئے جہاں اُن کے ساتھ ہی بعض دوسرے فوجی سرداروں وغیرہ کے مربعہ جات [illegible] تھے۔ اور سانگلہ ہل کے قریب غربی جانب موضع لدھڑا [illegible] والد صاحب نے میرے بھائی اور تین مسلمان چوہدریوں [illegible] کے ساتھ کیا۔ جہاں والد صاحب پٹواری نہر تھے۔ [illegible] پرویار اور بہلول پور وغیرہ دیہات اُن کے حلقہ [illegible] میں شامل تھے۔

[illegible] پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ کہ والد صاحب محترم نے مجھے سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک تحریری معاہدہ کر کے گھر لیجا کر میرے اسلام لے آنے کے معاملہ کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا تھا۔ بلکہ صرف یہی بتایا تھا۔ کہ عزیز کسی چھاپہ خانہ میں ملازم ہو گیا تھا۔ جہاں سے اس کی لیاقت۔ قابلیت اور ہوشیاری کے باعث مالکان کارخانہ اُسے چھوڑنے پر رضامند نہ تھے۔ مگر میرے دوبارہ اُن کے فولادی پنجہ سے نکل کر قادیان پہنچ جانے کی وجہ سے اُن کو جو مشکلات درپیش تھیں۔ اور جسطرح وہ تنہا اپنی کوششوں سے میرے حصول اور واپسی سے مایوس ہو کر اصل معاملہ بھی جس کو وہ انتہائی ذلت، بدترین داغ اور کلنک کا ٹیکا سمجھتے تھے۔ ظاہر کر دینے پر مجبور ہو گئے تھے اور یہ سب کچھ اُن کو اپنی برادری کی مدد کے حصول کے لیئے کرنا پڑا تھا۔ اور اس ذیل میں میرے ان چچا صاحب کی تگ و دو سب سے پہلی مدد تھی۔

مگر جب چچا صاحب مکرم خالی ہاتھ واپس گئے۔ اور بوجہ ندامت و شرمندگی والد صاحب سے ملے بغیر ہی چڑھے چڑھائے سیدھے لائل پور چلے گئے۔ انہوں نے قادیان آنے سے قبل بہت کچھ لاف زنیاں کی تھیں۔ جو پوری نہ ہونے کے باعث انہوں نے مارے ندامت و شرمندگی کے مُنہہ کو نہ دکھانا بھی پسند نہ کیا۔ اور والد صاحب کو چوہدری صاحبان سے حالات معلوم کر کے اور بھی زیادہ رنج و غم ہوا۔ اور جب رسالدار بہادر کی کارگزاری برادری کے لوگوں کو پہنچی۔ تو رشتہ داروں نے رنگا رنگ کے حیلے سوچنے اور منصوبے گانٹھنے شروع کیئے۔ کسی نے پھر نرمی و محبت سے کام نکالنے کو کہا۔ کسی نے جھوٹے مقدمات دائر کر کے مبتلائے آلام کرنے کی صلاح دی۔ کسی نے میرے سُسرال کو اکسا بھڑکا کر قانونی کارروائی کرنے پر آمادہ کرنے کا حیلہ سوچا۔ کسی نے زر سے اور کسی نے زور سے یہ کام انجام دینے کی ٹھانی۔ غرض جتنے مونہہ اتنی باتیں۔ جُوں جُوں ناکامی ہوئی، توں توں میرے بزرگوں کی مساعی کا رنگ بدلتا گیا۔ اور وہ گہری اور گھناؤنی سازشوں، ناجائز سے ناجائز وسائل کی طرف جھکنے گئے۔ اور ننگ و ناموس، عزت و آبرو کی بربادی کا خیال کر کر کے جوش انتقام میں بڑھتے گئے۔ مگر حسب فرمان خداوندی ان کید الشیطان کان ضعیفا ہ اُن کی ساری سازشیں بے کار، سارے منصوبے ناکام، اور ساری کوششیں رائیگاں ہی جاتی رہیں۔ اور ہر میدان میں اللہ کریم نے ان کو ناکام و نامراد رکھ کر اُن کے اموال کے ضیاع اور دلوں کی حسرتوں کا موجب بنا دیا۔

میرے والدین اور رشتہ داروں کی ایسی کوششوں کے سلسلہ میں محترم چوہدری بیساکھی رام صاحب ریٹائرڈ رسالدار بہادر کی ناکام سعی کے بعد دوسرا حملہ جو میرے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے اور متاع اسلام کو چھین لینے کی غرض سے کیا گیا۔ وہ میرے ایک محترم بزرگ چوہدری نتھو رام صاحب ذیلدار جاہو وال متصل گورداسپور کے ذریعہ تھا۔ جو اپنی میٹھی زبان۔ شیریں کلامی، نرم طبیعت اور پُرحکمت خصلت کے باعث برادری میں معتبر اور معتمد و مسلّم تھے۔ اور خیالات کی پختگی، مذہبی معلومات کی وسعت کے لحاظ سے بہت ہوشیار و سمجھدار واقع ہوئے تھے۔ اپنی ملازمت سے رخصت حاصل کر کے میرے پاس قادیان پہنچے۔ اور پوری عقلمندی، دانائی اور حُسن تدبیر سے میری طبیعت کا مطالعہ کر کے مجھ سے دو دن متواتر نہایت محبت و پیار کے رنگ میں ذکر اذکار میں مصروف رہے۔ میرے دلی حالات کا اندازہ اور قلبی کیفیات کا جائزہ لیا۔ اور اس کے نتیجہ میں اُن کا سارا زور اور ساری توجہ اوّل اوّل تو اس بات پر مبذول رہی۔ کہ اسلامی احکام اور خداوندی فرمان یاد کرا کر مجھے والدین کے حقوق، عزیزوں اور رشتہ داروں سے سلوک وغیرہ اخلاق کی پابندی کرنے کی تاکید اور میرے جذبات کو ابھار ابھار کر اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اور اس دوران میں اُن کا مطالبہ مجھ سے صرف یہی تھا۔ کہ جو بات تمہیں پسند آگئی ہے اور جس چیز کو تم صداقت یقین کرتے ہوئے ہم سے جدا ہوئے ہو۔ بے شک اُسی پر قائم رہو۔ ہم اس میں ہرگز ہرگز روک ڈالنا پسند نہیں کرتے۔ مگر خون آخر خون ہے۔ سو تم خونی تعلقات قطع نہ کرو۔ اور ماں باپ کی فرمانبرداری کر کے اُن کو خوش کرو۔ کیونکہ اس کے بغیر تو تمہارا اسلام بھی قبول نہیں۔ اور ایسے مشفقانہ اور ناصحانہ رنگ میں میرے دل کو موہ لینے کی راہیں اختیار کرتے رہے۔ کہ خدا کے خاص فضل کے بغیر اُن کے اس پوشیدہ اور باریک جال سے بچ نکلنا مشکل تھا۔

میرے مربی اور دوست و بزرگ بھی ان شکاریوں کی تاک گھات کی پوری نگرانی کرتے تھے۔ اور موقعہ بموقعہ میری مدد کرتے اور مناسب جواب، راہ صواب کی طرف راہ نمائی کرتے رہتے تھے۔ مگر سب سے بڑھ کر میرا سابقہ تجربہ اور والد صاحب کی خلاف معاہدہ کارروائی جس کا تحریری ثبوت سیدنا حضرت اقدس جری اللہ فی حلل الانبیاء کی فراست اور دوربینی کے باعث میرے ہاتھ میں تھا۔ میرے بزرگ ناصح اور مشفق بھائی کی ساری دلیلوں اور چالوں کے لیئے عصائے موسوی کا حکم رکھتا تھا۔ جس کے مقابلہ کی وہ تاب لا نہ سکتے تھے نہ اس کا کوئی معقول جواب دے سکتے تھے۔ آخر سارا زور مارنے اور سر پٹک چکنے کے بعد جب انہوں نے دیکھا۔ کہ ان تلوں میں وہ تیل نہیں جس کی اُن کو تلاش اور جستجو ہے۔ تو انہوں نے رنگ بدلا۔ اور رُخ پلٹ کر وہ ناصحانہ اور مصلحت آمیز لباس اتار پھینکا۔ اور اپنے اصلی روپ میں مجھ پر ظاہر ہونے لگے۔ نصیحت و خیرسگالی کا جامہ چاک ہو گیا۔ اور پھر وہ اپنا اندرونہ چھپانے کے قابل نہ رہے۔ نصیحت کی بجائے بحث مباحثہ کا رنگ اختیار کر لیا۔ دلائل کے زور سے مجھ کو ملزم کرنے کی کوشش کی۔ اور عیسائی اور آریہ معاندین کے بودے کُند اور کمزور ہتھیاروں سے مجھ پر وار کرنے شروع کر دیئے عبداللہ آتھم کی پیشگوئی اور لیکھرام کے مباہلہ کو بار بار پیش کر کے مجھ پر غلبہ و رعب جمانے کی کوشش کی۔ مگر چونکہ انہی دنوں ایسے اعتراضات کے دندان شکن جوابات کا ایک خزانہ اور معارف کا ایک دریا سیدنا حضرت اقدسؑ کی

پُر نور تصنیفات میں تازہ بتازہ میرے مطالعہ میں آرہا تھا جس کی طفیل میں بجائے مغلوب ہونے کے غالب اور مفتوح ہونے کے فاتح اور ذلیل ہونے کے سربلند ہی رہا۔ جس سے متاثر ہو کر میرے بھائی کو اپنی کم علمی کا اعتراف اور مغلوبیت کا اظہار کیئے بغیر چارہ نہ رہا۔ اور آخر فیصلہ پنڈت لیکھرام والی پیشگوئی پر منحصر ٹھہرا۔ جو ابھی تک پیشگوئی کی میعاد کے اندر حالت انتظار میں تھا۔

چوہدری نتھو رام صاحب نے اس رنگ میں بھی دال گلتی نہ دیکھی۔ تو اپنا آخری اور اوچھا ہتھیار نکالا۔ اور میری غیرت اور حمیّت کو چیلنج کیا۔ جذبات کو اپیل کی اور تانبے پیتل اور کانسی کے برتنوں، مٹی کے لوٹے، ٹھوٹھے اور کنالیوں کے طعن دینے شروع کر دیئے۔ کہیں مسلمانوں کی موجودہ بدعملی اختہ حالی، اور افلاس و غربت کے تذکرے اور ہندو اقوام کی بڑائی و مالی برتری کے افسانے سُنا سُنا کر مجھے جوش دلانے کی کوشش کی۔ اور کبھی خاندانی شوکت و سطوت اور بڑے بوڑھوں کے کارنامے سُنا سُنا کر شرم دلانے کی راہ اختیار کی۔ اور انجام کا رجب دیکھا۔ کہ اُن کے سارے حیلے بے اثر اور سارے حربے بے کار رہے تو یہ کہتے ہوئے مجھ سے رخصت ہو گئے کہ

”کٹھتیاں باہیں گل نوں ای آندیاں ہیں۔“

یعنی مسلمانوں نے جو سبز باغ تمہیں دکھا کر ورغلایا ہے اور جھوٹے وعدے دیکر اغوا کر لیا ہے۔ چند روز میں اُن کی حقیقت تم پر کُھل جائیگی۔ تب تمہاری آنکھیں کھلیں گی۔ ابھی چونکہ نئے نئے اس جال میں پھنسے ہو۔ آؤ بھگت ہو رہی ہے۔ زیادہ عرصہ نہ گذرے گا۔ کہ یہ نشہ اُتر جائے گا۔ اور تم سمجھو گے کہ کسی خیر خواہ کی نصیحت کو کسطرح ردّ کیا اور ٹھکرایا تھا۔

دیکھو پھر کہتا ہوں کہ

”ڈھلیاں بیراں دا اجے وِی کُجھ نہیں گیا۔“ مان لو بھلا ہوگا۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔

میرے مکرم ایسے ہی الفاظ کہتے ہوئے مجھ سے جُدا ہونے کو کھڑے ہو گئے۔ اگرچہ میرا دل نرم تھا۔ اور اُن کے ادب کا بھی مجھے پاس تھا۔ مگر اُن کے آخری حملہ کو بے جواب چھوڑنے کو میں نے بے غیرتی اور دون ہمتی یقین کرتے ہوئے خاموش رہنا برداشت نہ کیا۔ اور جاتے جاتے مخاطب کر کے بصد ادب عرض کر ہی دیا۔ کہ

اگر یہ دِل صرف اور صرف خدا کے لیئے آپ لوگوں سے جُدا ہُوا ہے۔ تو یقیناً وہ اِن بازوؤں کو نہ ٹوٹنے دیگا۔ بلکہ خود غیب سے ہمیشہ میری دستگیری و امداد فرمائیگا۔ اور میں اس یقین پر ہوں۔ کہ وہ ذاتِ والا صفات کبھی بھی مجھے ایسے دعوے کرنے اور بڑے بول بولنے والوں کا محتاج نہ ہونے دیگی۔“

میں نے یہ الفاظ چلتے چلتے بہت ادب سے اُن کے گوش گذار کیئے۔ جس کے بعد وہ اپنے گاؤں کو چلے گئے۔ اور مجھے اللہ کریم نے اپنے فضلِ بے پایاں سے اس مرحلہ پر بھی ثبات و نشاط بخشکر نوازا۔ اور دارالامان ہی میں جگہ عطا فرمائے رکھی۔ فالحمدللہ

چوہدری صاحب مکرّم مجھے پھر بھی ملتے رہے۔ کبھی وہ مجھے گورداسپور میں ملے۔ تو کبھی میں اُن کو جاپو وال میں جا کر ملا۔ مگر پنڈت لیکھرام والی پیشگوئی کے ناقابلِ انکار واقعہ نے اُن کے دل پر ایسا اثر کیا۔ کہ پھر انہوں نے کبھی بھی مجھ سے مذہبی معاملہ میں گفتگو کرنے کی جرأت نہ کی۔ اور صداقت و حق کے سامنے یوں گردن ڈال دی کہ گویا تسلیم کے مقام پر کھڑے ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ یہ بھی ان کی شرافت کا تقاضا تھا۔ ورنہ ہزاروں نہیں لاکھوں ہیں۔ جو آج بھی اس پیشگوئی پر بیباکی سے اعتراض کرتے اور بحث مباحثے کرتے رہتے ہیں۔

اِس جدوجہد اور دوڑ دھوپ کے بعد مختلف طریق سے مجھے مرعوب کرنے اور دھمکانے کی غرض سے رنگا رنگ اور گوناگوں خبریں میرے کانوں تک پہنچائی جانے لگیں۔ اور بعض معتبر لوگوں نے مجھے بتایا۔ کہ میرے والدین اور رشتہ دار میرے سُسرال کو میرے خلاف کوئی مقدمات دائر کرنے کی کوشش کرا رہے ہیں۔ اور برادری نے اُن پر بہت زور اور دباؤ بھی ڈالا۔ مگر انہوں نے یہ کہتے ہوئے ایسی نجاست پر مونہہ مارنے سے عذر کر دیا۔ کہ پہلے ہی

”نہ معلوم کس پاپ کی سزا ہمیں بھگتنا پڑی ہے۔
اور اِدھر اُدھر کر کے ہمارا کہاں ٹھکانہ ہوگا۔“

مگر میرے والد صاحب اور بعض عیّار رشتہ داروں کو نہ معلوم کتنی جلن لگی تھی۔ کہ اُن کے غضب کی آگ بجھنے ہی میں نہ آتی تھی۔ اور وہ میرے درپئے آزار ہی چلے جا رہے تھے۔

نہ معلوم کتنے منصوبوں اور سازشوں میں اُن کو ناکامی و نامرادی کا مونہہ دیکھنا نصیب ہُوا۔ اور آتشِ انتقام کہاں کہاں اُن کو لیئے پھرتی رہی۔ کس قدر مال و منال ایسی حیلہ سازیوں کی انہوں نے نذر کیا۔ اور کس کس کی در پردہ ناصیہ فرسائی کرتے پھرے۔ جس کے نتیجہ میں ایک روز اچانک ایک مذکور یا میرے نام کا ایک سمن لیئے میری تلاش میں کُو بکُو پھرا کیا۔ اور آخر میرے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جبکہ میں مسجد اقصیٰ سے ڈیرے کو جا رہا تھا۔ اس نے مجھے سمن دکھا کر دستخط کرنے کا تقاضا کیا۔ میرے لیئے عمر بھر میں یہ پہلا موقعہ تھا۔ کہ سرکاری کاغذ میرے نام آیا۔ کچھ گھبراہٹ تھی۔ کچھ عیّار مذکور نے کا تقاضا۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ قلم دوات مذکور نے چپڑاسی ساتھ رکھا کرتے تھے نکال سامنے کی۔ اور میں نے اطلاع پائی کر دی۔ بلکہ الفاظ بھی وہی لکھے جو مذکور نے نے لکھائے۔

مجھے یہ بھی تو علم نہ تھا۔ کہ سمن کا مثنیٰ مجھے لینا چاہیئے جو کچھ ہُوا۔ اس میں پہلی بعض افواہوں اور اخبار کا بھی اثر و دخل تھا۔ سوجھی تو صرف یہ کہ سیدھا اپنے آقائے نامدار سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی معہودؑ کے در پر جا کر دستک دی۔ دریافت پر اپنا نام عرض کیا۔ اور حضور پرنور بہ نفسِ نفیس دروازہ پر تشریف لے آئے۔ نہائت ہی لطف و کرم سے بات پوچھی۔ جو میں نے لرزتے کانپتے عالم پریشانی ہی میں عرض کر دی۔ حضورؑ نے توجہ سے سُن کر نہائت ہی محبّت آمیز لہجہ میں فرمایا (ایک لحہ بھر کے وقفہ کے بعد)

”میاں عبدالرحمٰن آپ نے سمن کو پڑھا بھی تھا۔ کہ کس مقدمہ میں حاضری مطلوب ہے۔ اور کس تاریخ کو پیشی ہوگی؟“

حضور! نہیں۔ میں نے عرض کیا۔ اور حضور مجھے تو سمن اور مقدمہ کے نام سے ہی ایسی گھبراہٹ ہوئی۔ کچھ سمجھا نہ بوجھا۔ اور جو کچھ اس نے کہا میں نے لکھ کر دیدیا۔ فرمایا۔

”میاں عبدالرحمٰن غلطی ہوئی ہے۔ جلد جاؤ۔ اور اس کو تلاش کر کے تاریخ حاضری تو معلوم کر لو۔“

بہت اچھا حضور! عرض کر کے میں گلی بازاروں میں اُس چپڑاسی کی تلاش کرنے لگا۔ اور آخر کم و بیش دو گھنٹہ کی تلاش اور سرگردانی کے بعد وہ مجھے مل گیا۔ اور جسطرح حضورؑ نے ہدائت فرمائی تھی۔ نرمی اور حکمت سے میں نے سمن کا مثنیٰ مانگا۔ اور حاضری کی تاریخ پوچھی۔ مگر

میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ جب مجھے تاریخ حاضری کا علم ہُوا۔ میری جان میں جان آگئی۔ کیونکہ جس تاریخ کے لئے مجھ پر سمن کی تعمیل کرائی گئی تھی۔ وہ تاریخ دو دن ہوئے گذر بھی چکی تھی۔ میں نے جھٹ اپنے دستخطوں کے نیچے وصولی سمن کی تاریخ درج کر دی۔ اور خود حضرت اقدسؑ کے حضور حاضر ہو کر معاملہ عرض کیا جس پر حضورؑ تبسم فرماتے ”اچھا ہُوا۔ اور بہت اچھا ہُوا“ فرماتے ہوئے اندر تشریف لے گئے۔ اور اس طرح محض حضورؑ کی توجہ کی طفیل سے وہی بات ہوئی۔ کہ:۔ ہر سیوم بود بلائے ولے بخیر گذشت پھر نہ کبھی کوئی سمن آیا۔ نہ مجھے کسی نے طلب کیا۔ نہ معلوم کیا تھا۔ اور وہ معاملہ کدھر چلا گیا۔

اِن آئے دن کے جھگڑے بکھیڑوں، افراتفری اور کشمکش سے تنگ آ کر آخر میں نے اس قضیہ کو ہمیشہ کیلیئے ختم ہی کر دینے کی تجاویز سوچنا شروع کیں۔ کیونکہ جہاں مجھے اپنی ذات میں نت نئے فتنوں کی وجہ سے بے اطمینانی اور تشویش رہا کرتی۔ والدین کی بربادی اور اُن کے مال و منال کے ضیاع کا خیال بھی ستایا کرتا تھا۔ والدین اور رشتہ داروں کے ایسے حملوں اور کوششوں سے مجھے اپنی کمزوریوں کا بھی احساس ہونے لگا۔ اور خیال پیدا ہُوا۔ کہ کوئی نہ کوئی نقص ضرور مجھ میں ہے۔ ورنہ دشمن کو مایوس ہو کر ہمیشہ کیلیئے مجھ سے ناامید ہو جانا چاہیئے تھا۔ چنانچہ سوچ بچار اور دعاؤں کے نتیجہ میں اللہ تعالے نے میرے دل میں ڈالا کہ جب تک شیطان بالکل مایوس اور ناامید نہیں ہو جائیگا میں خطرہ سے باہر نہ نکل سکونگا۔ اور حقیقی اطمینان اور تسلّی میسّر نہ آئیگی۔ لہٰذا میں نے ایک مفصل خط علیحدہ والدہ صاحبہ کی خدمت میں لکھا۔ جس میں اپنے اسلام لانے کی وجوہات پر خود اُن کی اپنی ضمیر کو بطور شاہد گواہ پیش کرتے ہوئے اپنے پہلے حالات و اخلاق کی طرف بھی توجہ مبذول کرائی۔ اور بالآخر یہ لکھا۔ کہ ان حالات میں

آپ کا دل جانتا ہے۔ کہ اسلام کے معاملہ میں مجھ پر نہ کسی نے دباؤ ڈالا ہے۔ اور نہ ہی کوئی طمع اور بد اخلاقی اس کی محرک ہوئی ہے۔ بلکہ اسلام کی خوبیوں اور اس کے برکات نے میرے دل بلکہ دل کی گہرائیوں پر اثر کر کے میرے قلب کو فتح کر لیا ہے۔ اس صورت میں کیونکر ممکن ہے۔ کہ آپ لوگ میرے دل سے اس بات کو نکال سکیں۔ زیادہ سے زیادہ آپ میرے جسم اور گوشت پوست پر قابو پا سکتے ہیں۔ مگر اس کے یہ معنے نہ ہونگے کہ آپ میرے دل سے اسلام کو نکال دینے میں بھی کامیاب ہو جائینگے۔ اوّل تو آپ کو اپنا سابقہ تجربہ ہی اس امر کے سمجھ لینے کے لیئے کافی معاون تھا۔ کہ آپ لوگ باوجود ہزاروں روپیہ بے دریغ لٹا دینے اور مہینوں نہیں سالوں سرگردانی کے مجھ پر قابو نہیں پا سکے اسی سے سبق حاصل کر کے خدا کی مرضی پر راضی ہو رہتے۔ مگر بفرض محال اگر مان بھی لیا جائے کہ کبھی آپ مجھے میری مرضی کے خلاف پکڑ لے جانے میں کامیاب بھی ہو جائیں۔ تو پھر کیا ہوگا؟ اسلام میرے رگ و پے اور خون میں خدا کے فضل سے اسطرح رچ چکا ہے۔ کہ اگر آپ لوگ میرے جسم کے ٹکڑے بھی کر دیں۔ اور ان ٹکڑوں کا قیمہ بھی بنا دیں۔ تب بھی انشاء اللہ تعالیٰ ہر ذرہ سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہی کی صدا بلند ہوگی جسم مغلوب ہو سکتے ہیں۔ اور طاقت یا ظلم سے اس پر فتح پائی جا سکتی ہے۔ مگر قلوب کا فتح کرنا صداقت و راستی کے سوا ناممکن ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

مصلحت الٰہی سے میرا یہ خط والدہ محترمہ کو جب پہنچا۔ والد صاحب گھر پر نہ تھے۔ بلکہ کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ اور طرفہ یہ کہ خط والدہ محترمہ نے پڑھوایا۔ تو کسی مسلمان سے۔ جس نے خط سنانے کا حق بھی ادا کر دیا۔ اور وہ خط ایسا مؤثر ثابت ہوا۔ کہ والدہ محترمہ زار و قطار رونے لگیں۔ اور اسی جگہ عہد کر لیا۔ کہ آئندہ اس طریق کو قطعی طور سے ترک کر دیں گے۔ چنانچہ مجھے جواب بھی بہت معقول اور تسلی بخش دیا۔ "اچھا بیٹا جیتے رہو۔ تمہاری طرف سے ٹھنڈی ہوا آتی رہے۔ ہونا تھا جو ہو چکا۔ اب پرمیشور سے تو لڑا نہیں جا سکتا۔" یہ خدا کا محض فضل تھا کل اس ہونہار دھا والی بات پر خط ٹھکانے لگا۔ اور اسطرح سے قصہ ہمیشہ کیلئے ختم ہی ہو گیا۔

زمانہ ٹھیرا نہیں رہتا۔ بلکہ گذرنے والی چیز ہے۔ گزرتا گیا اور چلتا ہی رہا۔ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن چڑھتے گئے اور گذرتے گئے۔ اور دنوں کے بعد ہفتے۔ مہینے۔ اور مہینوں کے بعد سال بھی گذرے۔ اور گذرتے گذرتے دو تین بلکہ چار ہی سال گذر گئے ہونگے جن میں ان واقعات کا ظہور ہوا۔ دوسری طرف سلسلہ نے بھی ترقی کی اور دن دونا رات چوگنا بڑھنے لگا۔ دشمن گھٹتے گئے اور دوست بڑھتے گئے۔ حتّٰی کہ نوبت یہاں تک آن پہنچی۔ کہ وہی مسجد (مسجد مبارک) جو باوجود اپنی تنگی کے ہم پر فراخ رہا کرتی تھی۔ اب ہم پر تنگ ہونے لگی۔ ہر حصہ میں بجائے دو دو صفوں کے تین تین صفیں بنانے سے بھی کام نہ چلا تو سیّدنا حضرت اقدس کے بیت الفکر کے مشرقی جانب کا صحن بھی نمازیوں کے واسطے کھلوا دیا۔ اور اسی پر بس نہ رہی بلکہ اکثر بیت الفکر کے اندر بھی نمازی نمازیں ادا کرنے لگے۔

آریہ مڈل سکول کے مدرسوں کے تعصب اور تنگ نظری سے تنگ آکر جب ہمارے بچّوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اور وہ ہر وقت گندے اعتراضات، دلآزار حرکات اور توہین آمیز سلوک نہ برداشت کر سکے تو حضرت اقدسؑ کے حضور شکایت پہنچی۔ حضور نے توکلاً علی اللہ دعا و استخارہ اور مشورہ کے بعد اپنا سکول کھولے جانے کا فیصلہ فرما دیا۔

اور اس کے واسطے ایک اعلان بھی شائع فرمایا۔ پنڈت لیکھرام پشاوری کی مونہہ مانگی پیشگوئی جو پورے جلال اور اپنی پوری شان و شرائط کے ساتھ ظہور پذیر ہوئی۔ جلسہ اعظم مذاہب میں سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لیکچر پڑھا گیا۔ اور "مضمون بالا رہا" کی تصدیق دوست دشمن نے کی۔ "الحکم" جاری ہوا۔ پہلے امرتسر سے پھر قادیان سے اور اس کو خدا کے برگزیدہ سیّدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بازو بننے کی عزت و شرف نصیب ہوا۔

الغرض یہ اور ایسے ہی کئی اور تغیرات کیا روحانی اور کیا جسمانی۔ کیا زمینی اور کیا آسمانی، افراد کے لحاظ سے یا جماعتی رنگ میں رونما ہوتے رہے۔ کئی نئے واقعات ہوئے اور کئی حالات بدلتے رہے۔ جن میں سے ہر ایک کا ذکر ایک طویل بیان اور مفصّل کتاب چاہتا ہے۔ جو انشاء اللہ تعالیٰ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی، صحت و طاقت عطا فرمائی۔ اپنے اپنے وقت پر لکھنے کی کوشش کرونگا۔ اسوقت جس سلسلہ کے متعلق میں لکھ رہا ہوں اس کا تعلق چونکہ سکول سے شروع ہوتا ہے۔ اسوجہ سے خصوصیت سے لکھنا پڑا۔

سکول کے باقاعدہ کھلنے سے قبل ہی میں نے اِدھر اُدھر سے چھوٹے چھوٹے بچوں کو گھیر سنبھال کر بٹھانا اور پڑھانا شروع کر دیا تھا۔ اور جو جس لائق ہوتا اس کی لیاقت کے مطابق ہی (دوسری یا تیسری جماعت) اس کو پڑھانا شروع کر دیتا۔ اور اِسطرح گویا اپنے سکول کا سب سے پہلا استاد یا ماسٹر میں بنا۔ سکول نے باقاعدگی اختیار کی۔ بڑے لڑکے بھی پڑھنے لگے۔ تو بڑے بڑے ماسٹر بھی آ گئے۔ اور اسطرح اللہ تعالیٰ کے فضل سے سکول ترقی کے مدارج طے کرنے لگا۔ اور بڑھتا گیا۔

اسی زمانہ کا ذکر ہے۔ کہ میں بیمار ہو گیا۔ اور باوجود باقاعدہ علاج معالجہ کے جو حضرت حکیم الامت جیسے حاذق اور بے نظیر ہمدردِ خلائق شاہی طبیب پوری توجہ اور باقاعدگی سے کرتے رہے بیماری بڑھتے بڑھتے اتنی بڑھی کہ تپ دق بن گئی اور پہلا درجہ طے کر کے دوسرے بلکہ تیسرے درجہ تک جا پہنچی اسی پر بس نہیں نوبت یہاں تک پہنچ گئی۔ کہ حضرت مولانا مولوی نور الدین اعظم رضؓ جیسا باکمال اور کبھی نہ تھکنے اور مایوس ہونے والا انسان بھی گھبرا گیا۔ اور ایک روز تو برملا کھلی مجلس میں میری حالت کے متعلق ایسے الفاظ حضور کی زبان سے نکل گئے۔ کہ مجھ سے تعلق رکھنے والے بعض دوست اسی مجلس میں چشم پُر آب ہو گئے۔ جن میں سے حضرت قاضی سیّد امیر حسین صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ اور ایک میرے عزیز دوست شیخ احمد دین صاحب ڈنگوی جو بعد میں میرے نسبتی بھائی ہوئے خاص طور سے مجھے یاد ہیں۔ وہ جب سے قادیان آئے۔ میرے ساتھ رہتے اور مجھ سے محبت رکھتے تھے اور اس بیماری میں انہوں نے میری ایسی بے لاگ اور مخلصانہ خدمت کی جس کی یاد میرے دل سے محو ہو سکتی ہے۔ نہ میں اُن کے اس احسان و خدمت کا کوئی صلہ دے سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ خود ہی اُن کی جزا دے اور انکو دین و دنیا کی نعمتوں سے مالامال کرے آمین

بعض اوقات میں دیکھتا اور محسوس کرتا۔ کہ وہ علیحدگی میں کبھی مجھ سے آنکھ بچا کر رو بھی لیا کرتے۔ یا بعض دوسرے دوستوں سے جو میری عیادت کو تشریف لاتے کچھ ایسے رنگ کی باتیں کرتے جس سے مجھے ان باتوں کے معلوم کرنے کی ٹوہ ہوئی اور آخر ایک روز بالکل تنہائی میں میں نے اُن سے بات پوچھی جسے گو انہوں نے آج بھی ہمیشہ کی طرح مجھ سے چھپانے ہی کی کوشش کی۔ مگر آخر میرے اصرار پر مجھے بتا دینے سے قبل خود زار و قطار رونے لگ گئے۔ اور بمشکل کئی دفعوں کے بعد سارا قصہ میری سمجھ میں آسکا۔ جس کے سننے سے گو طبعًا مجھ پر گہرا اثر ہوا۔ مگر میں نے فوراً عزیز کو سارا ماجرا خدا کے برگزیدہ مسیحؑ کے حضور عرض کرنے کی تاکید کے ساتھ درخواست دعا کی غرض سے بھیجدیا۔ حضور نے بات سنکر افسوس کیا۔ اور فرمایا:۔ ہمیں پہلے اطلاع کیوں نہیں دی۔ اور ساتھ ہی دوائی بتا کر تسلّی دی۔ اور فرمایا۔ کہ آپ فوراً اس دوائی کو شروع کر دیں۔ اور حالت کی اطلاع جلد جلد دیتے رہیں۔ ہم دعا بھی کریں گے۔ وہ دوائی کیا تھی؟ صِبر۔ فرمایا صِبر اور صَبر کا مادہ ایک ہی ہے جیسے یہ صِبر نہایت تلخ چیز ہے۔ اسی طرح صبر بھی تلخ اور مشکل ہوتا ہے۔ مگر نتیجہ دونو کا خدا کے فضل سے مفید، بابرکت اور انجام بخیر ہے۔ اس دوائی کو مکھّن یا بالائی میں لپیٹ کر صبح و شام کھایا کریں۔ اور ساتھ ہی مقدار بھی ایک خوراک کی الگ فرما کر بتا دی۔

میرا حال یہ تھا۔ کہ میرا مکان الگ کر دیا گیا۔ میرے کھانے پینے کے برتن جدا کر دیئے گئے۔ اور میری عیادت کو آنے والوں کو میرے پاس زیادہ ٹھہرنے اور باتیں کرنے سے روک دیا گیا۔ حتّٰی کہ خود شیخ احمد دین صاحب کو بھی یہ تاکید تھی۔ کہ مجبوری اور ضرورت کے سوا زیادہ میرے قریب نہ رہیں۔ اور اِسطرح مرض اور بیماری کے علاوہ اِن حالات سے جو اثر میری طبیعت پر پڑنے لگا۔ وہ بہت ہی تکلیف دہ، دل شکن اور روح فرسا تھا۔ اوّلاً تو مجھے علیحدہ مکان کے حصول ہی میں مشکلات کا سامنا ہوا۔ اور کوئی مکان اپنے حلقہ میں ایسا میسّر نہ آیا جس میں مصیبت کے یہ دن کاٹ سکتا۔ دوسرے محلوں میں جا کر رہنا زندہ درگور ہونا اور موت کے خیال سے بھی بھاری تھا۔ مگر ہزاروں ہزار رحمتیں نازل ہوں محترمہ خاتون فضل النساء بیگم صاحبہ مرحومہ کی تربت و روح پر اور خداوند کریم اُن کو اپنے عرش کے سایہ تلے جگہ عطا فرمائیں۔ کہ انہوں نے مجھ غریب و بے کس کے حال پر رحم کھا کر اپنے اثر و رسوخ سے خان بہادر حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کے مکانات میں سے ایک کوٹھڑی خام دلا کر اس فکر اور تشویش سے نجات دلائی۔ جو اس وقت موجودہ صادق لائبریری کے صحن والی جگہ کے جنوب مغربی کونہ میں واقع تھی۔ اور اس کے غرب میں کوچہ اور کوچہ کے دوسری جانب سیدۃ النساء حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا

کا موجودہ باورچی خانہ والا کمرہ ہے۔ جنوبی جانب حضرت نواب صاحب قبلہ کے موجودہ بلند و بالا مکان کی حد واقع تھی۔ اور یہ حصے اُس زمانہ میں بالکل ایک ویران چوگان کی شکل میں کھنڈر اور غیر آباد پڑے تھے۔

محترمہ خاتون جن کے احسان و فیاضی کا میں نے تذکرہ کیا ہے وہ بھی رشتہ میں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان اور مرزا نظام الدین صاحب کی ہمشیرہ تھیں اور ان کے مجھ پر اور بھی بہت سے احسانات ہیں۔ خداوند تعالےٰ اُن کو بہت بڑے انعامات سے نوازیں۔ آمین

دوائی حضورؑ پرنور کی ہدایات کے مطابق کھانی شروع کر دی گئی۔ اور شائد ایک ہفتہ گذرا ہوگا۔ کہ میری طبیعت سنبھلنے لگی۔ مرض گھٹنے لگا۔ اور صحت ترقی کرنے لگی۔ اور ہوتے ہوتے حضورؑ کی توجہات کریمانہ کی طفیل اللہ کریم نے ایسا فضل کیا کہ ایک روز جبکہ حضورؑ صبح کی سیر کے واسطے جانے لگے۔ میں نے دل کو مضبوط کیا۔ اور لاٹھی کے سہارے لرزتا اور کانپتا حضورؑ کی زیارت کے لئے بستر مرگ ہی سے گویا اٹھ کر احمدیہ چوک کی طرف بڑھا۔ میں موجودہ صادق لائبریری کے ریڈنگ ہال والی جگہ سے کوچہ میں پہنچا۔ تو حضور پُرنور اس وقت حضرت حکیم الامت مولانا مولوی نور الدین اعظم رضؓ کے مطب کے پاس تھے میں چند ہی قدم بڑھا تھا۔ اتنے میں حضور مکرمی مفتی فضل الرحمٰن صاحب کے مطب کے پاس آ پہنچے۔ میں نے سلام عرض کیا۔ حضورؑ نے آواز پہچان کر جواب دیا۔ اور ایک نظرِ شفقت مجھ پر ڈالی اور فرمایا۔

"میاں عبدالرحمٰن کیا حال ہے؟"

جواب میں بصد ادب میں نے عرض کیا۔ اور حضور اتنے میں میرے قریب آکر کھڑے ہوگئے۔

"حضور موت کے بعد ایک نئی زندگی ملتی معلوم ہوتی ہے۔"

اس پر حضورؑ نے فرمایا۔

"ٹھیک ہے۔ کفر کا گوشت پوست تھا۔ وہ جاتا رہا۔ اب سب خیر ہے اب اسلامی گوشت پیدا ہوگا۔"

اور مسکراتے ہوئے معہ خدام سیر کو تشریف لے گئے۔

یہ کوئی لگی چھپی بات نہ تھی۔ کہ سیدنا حضرت مولانا مولوی نور الدین اعظم رضؓ کو اللہ تعالےٰ نے جہاں دینی علوم میں یدِطولیٰ عطا فرمایا تھا۔ اور وہ زمانہ میں ایک عالم بے بدل مانے ہوئے تھے۔ وہاں علم طب میں بھی انکو کمال حاصل تھا۔ اور ان کی تشخیص و علاج کا زمانہ بھر میں سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ اور چونکہ وہ نہایت درجہ بے نفس، بے ریا اور سچے خیر خواہِ خلق واقع ہوئے تھے۔ اکثر خدا تعالیٰ خود اُن کی الہام سے بھی مدد فرماتا تھا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ ملک کے کناروں سے لوگ، بیماروں خصوصاً لاعلاج بیماروں کو لے کر حضرت کی خدمت میں قادیان آیا کرتے تھے اور اکثر اُن میں سے معجزانہ رنگ میں شفایاب ہو کر واپس ہوا کرتے تھے۔ حضرت مولوی صاحب چونکہ روحانیت کے لحاظ سے بھی کمال کو پہنچے ہوئے تھے کسی مرض کو لاعلاج کے نام سے یاد کرنا ناپسند فرماتے۔ اور خطرناک سے خطرناک مریضوں کے علاج سے کبھی اکتایا نہ کرتے۔ اور دوا و دعا دونو رنگ میں پوری ہمدردی اور کوشش و توجہ سے بلا امتیاز غریب و امیر کا علاج فرماتے۔ حتّٰی کہ بعض لوگوں پر تو اُن کی غربت و بیکسی کے باعث مفت دوائی کے علاوہ کھانے اور دیگر ضروریات کے واسطے بھی اپنی جیب سے خرچ کیا کرتے۔ اور علاج معالجہ میں کبھی تھکا نہ کرتے تھے۔

ظاہر ہے۔ کہ ایسے انسان کی زبان سے اگر کسی مریض کے متعلق ایسے الفاظ نکلیں جنکو سننے والے اس مریض پر چار آنسو بھی بہا دیں نہ معمولی سمجھ یا کمزور دل گردہ کے انسان بلکہ حضرت قاضی امیر حسین صاحب مرحوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا جری اور باحوصلہ انسان بھی ان الفاظ سے متاثر اور اُن کے نتیجہ و مفہوم سے مریض کے انجام کا خیال کر کے رو دے۔ تو اس مریض کی حالت اور مرض کی شدت و غلبہ کا اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ بیماری نے مجھ پر ایسا غلبہ پا لیا تھا۔ کہ صحت کی نسبت موت زیادہ قریب نظر آ رہی تھی۔ اور خدا کا خانہ خالی چھوڑ کر اگر ظاہری حالات سے کوئی اندازہ کرنا اور کسی مریض کے متعلق فتویٰ دینا جائز ہو سکتا تھا۔ تو وہ یقیناً میری موت کا فتویٰ تھا۔

میں چارپائی سے اٹھ کر رفع حاجت تو در کنار پہلو بدلنے اور کروٹ لینے سے عاجز ہو چکا تھا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی۔ کہ پل پل اور گھڑی گھڑی کی خبریں منگائی جانے لگیں اور ایک کی بجائے دو تین آدمی میری خبر گیری کے واسطے مقرر کیے گئے۔ اور نہ صرف یہی کہ نبض شناس ہی میری بیماری اور مرض کی شدت اور میری حالت سے میرے انجام کو قریب تر محسوس کرنے لگے بلکہ اس بات کا عام چرچا ہو گیا۔ اور اپنوں اور پرائیوں کے کان کسی خبر کی انتظار میں رہنے لگے تھے۔

ان حالات میں میرا صحت پا جانا یقیناً یقیناً موت کے مونہہ بلکہ قبر سے واپس آ جانا تھا۔ جو خدا کے خاص فضل اور دستِ قدرت کے بغیر ہو نہ سکتا تھا۔ اور اس فضل اور خدا کی خاص قدرت کو جذب کرنے والی صرف اور صرف میرے محسن اور خدا کے برگزیدہ نبی کی توجہات کریمانہ اور دمِ مسیحائی تھا۔ ورنہ سچ یہی ہے۔ کہ

میں مر چکا تھا۔ اور رونے والے مجھ پر رو بھی چکے تھے۔

کون کہتا ہے۔ کہ میرا جی اٹھنا مردوں کے جی اُٹھنے سے کم تھا۔ یہ تو میری آپ بیتی ہے۔ اور میرے یقین و ایمان بلکہ علم و عرفان میں ازدیادی مضبوطی اور ترقی کا موجب ہوئی۔ اور اسی سے مجھے میرے جیسے اور بیسیوں نہیں سینکڑوں نہ صرف روحانی بلکہ جسمانی زندگی سے مایوس انسانوں کے واقعات اور نئی زندگی کی صداقت پر بصیرت نصیب ہوئی۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ میں صرف نہ خود زندہ ہو گیا۔ بلکہ خدا کے اس رسول کی طفیل مجھے ایک زندہ ایمان بھی میسر آ گیا۔ جو رسمی اور اسمی ایمان و اسلام سے ہر لحاظ سے ممتاز تھا۔ خانزادہ عبدالرحیم خانصاحب خالد آف مالیر کوٹلہ جو حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کے صاحبزادے ہیں۔ اور میاں عبدالکریم صاحب حیدر آبادی بلکہ جاننے والے خوب جانتے ہیں۔ کہ حضرت مولانا شیر علی صاحب بی۔ اے کی زندگی اور حیات طیبہ بھی بالکل نئی اور مسیحائے زماں مہدی دوراں ہی کے انفاس قدسیہ، معجز نما توجہات اور دمِ مسیحائی ہی کی رہین منت ہے جنہوں نے اللہ تعالےٰ کی صفتِ کُن کو جوش میں لانے اور اس کے فضل کو جذب کرنے کے لئے دستِ دعا پھیلائے۔ جن حالات میں سے گذرے اور جب ملک کے ڈاکٹر اُن کی زندگی سے ناامید ہو گئے اُس سے کم نہیں تھا میرا معاملہ اور سچ یہ ہے۔ کہ میرا وجود بھی اور لاکھوں معجزات، کرامات اور خارق عادت واقعات کی طرح خدا کے برگزیدہ نبی کی صداقت کا ایک چلتا پھرتا نشان ہے۔

خدا کے برگزیدہ اور پیارے مسیح کی زبان مبارک سے جو الفاظ نکلے وہ پورے ہوئے۔ مرض گھٹتا گیا۔ اور صحت بڑھتی گئی۔ آج کچھ اور کل کچھ روز افزوں طاقت آنے لگی۔ اور میں خود بخود چارپائی سے اترنے اور چڑھنے کے قابل ہو گیا۔ سیدنا حضرت اقدس کے حضور روزانہ رپورٹ عرض کی جاتی رہی اور حضور پرنور نے فرمایا۔ کہ مولوی صاحب کا علاج جاری رکھو احتیاط اور پرہیز لازمی ہے۔ ورنہ مرض کے عود کر آنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ وہ کوٹھڑی جس میں میں رہتا تھا۔ ایک طرف کو تھی۔ لہٰذا میں ایک روز خود ہی گرتا پڑتا مطب میں پہنچا۔ تاکہ زبانی ساری کیفیت عرض کر کے نسخہ میں تغیر کرا سکوں۔ نیز ایک خیال جو ایک دو روز سے بڑے زور کے ساتھ میرے دل و دماغ پر مستولی تھا عرض کر کے مفید ہدایت پا سکوں۔ وہ خیال یہ تھا۔ کہ قرآن کریم میں آتا ہے۔

وسکنتم فی مساکن الذین ظلموا انفسھم الآیۃ

اس آیت کے مفہوم کے مدنظر جہاں میں ان دنوں رہتا ہوں مجھے خوف لاحق ہے۔ حضرت مولوی صاحب نے یہ بات میرے مونہہ سے نکلی سنکر پیار سے ہاتھ بڑھایا۔ اور میری پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے مجھے اس جگہ کو چھوڑ کر اپنے مکان کے ایک حصہ میں چلے آنے کو فرمایا۔ اور ساتھ ہی کہا۔ کہ وہ جگہ بھی چھٹ جائیگی۔ اور مجھے عیادت کا بھی موقعہ ملتا رہے گا۔ واقعی یہ نکتہ معرفت اور مقام خوف ہی۔ چنانچہ میں اُسی روز یا دوسرے تیسرے دن حضرت مولوی صاحب کے مکان میں آ گیا۔ جہاں مجھے زیادہ آرام کے ساتھ علاج کی بھی زیادہ سہولت میسر آ گئی۔ کیونکہ حضرت مولوی صاحب قریباً روزانہ ہی مجھے دیکھ لیا کرتے اور مناسب ہدایات دے دیا کرتے تھے۔

میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ کہ والدین اور بعض رشتہ داروں کے بار بار کے جائز و ناجائز اُن افعال سے تنگ آ کر جو وہ میری واپسی کی کوشش کے ضمن میں کرتے رہتے تھے۔ میں نے والدہ محترمہ کو خاص طور سے خطاب کر کے ایک خط لکھا تھا جس پر والدہ مکرمہ نے متاثر ہو کر آئندہ ان طرق کے استعمال سے رک جانے اور مجھے میرے حال پر مست رہنے مگر خیر خیریت دیتے رہنے کی تاکید کی تھی۔ اور اس طرح وہ تکلیف دہ سلسلہ بند ہو کر خط و کتابت جاری ہو چکی تھی۔ مگر اس بیماری کے دوران میں کئی ماہ تک خط نہ پہنچنے کے وجہ سے والدہ صاحبہ کو گھبراہٹ ہوئی اور انہوں نے جلد جلد دو تین خط لکھے جن کے جواب میں میں نے کسی دوست کے ذریعہ اپنی بیماری کا حال لکھوا دیا اس خط کے پہنچتے ہی والدہ مکرمہ تن تنہا گھر سے چلکر بٹالہ پہنچیں اور راستہ میں سے ہی میرا حال دریافت کرنے لگیں۔ یکہ بان نے یا کسی سواری نے جو اسی یکہ میں آ رہی تھی۔ میری نازک حالت کا اُن سے ذکر کر دیا۔ جس پر والدہ نے وہیں سے رونا شروع کر دیا۔ اور سارے راستہ روتی ہی چلی آئیں۔ پوچھتی ہوئیں

میں سے گذر کر احمدیہ چوک میں پہنچیں۔ جہاں سے کسی بچے سے نہ معلوم اس نے میری وہ پہلی قیامگاہ خالی دیکھ کر والدہ سے کیا کہہ دیا۔ کہ اُن کا رونا آہ و فغان اور بَین کا رنگ اختیار کر گیا۔ اور اُن کے رونے چلانے پر کئی لوگ اور لڑکے جمع ہو کر گریہ و بکا کی وجہ دریافت کرنے لگے۔ اور آخر کسی نے ان کو میرے زندہ سلامت ہونے کی خبر سنا کر تسلی دلائی۔ اور میرے پاس پہنچا دیا۔

وہ آئیں اور مجھ سے لپٹ کر دل کا سارا ہی بخار انہوں نے نکال لیا۔ جس کے نتیجہ میں فطرتاً مجھ پر بھی رقت طاری ہوئی۔ اور میرے آنسوؤں کی چھما چھم بارش جاری رہی۔

والدہ محترمہ کم و بیش ہفتہ عشرہ میرے پاس رہیں۔ اُن کے قیام و طعام کا انتظام اُن کے حسب دلخواہ علیحدہ کر دیا گیا۔ اس عرصہ میں انہوں نے خاص احتیاط، محنت اور توجہ سے میرا علاج کرایا۔ اور خوراک وغیرہ بھی حسب ہدایت حضرت مولوی صاحبؓ خود اپنے ہاتھوں سے تیار کر کے مجھے کھلاتی پلاتی رہیں۔ اور اس طرح اُن کی وجہ سے میری طبیعت جلد جلد سنبھلنے لگی۔ وہ خاندانِ نبوت کی بیگمات سے بھی ملیں اور دوسری احمدی خواتین سے بھی خلا ملا رہا۔ جس کے نتیجہ میں وہ مانوس ہو کر خوش اور مطمئن رہیں۔ اور میری بیماری اور بیماری میں خبر گیری و ہمدردی کے واقعات سُن سُن کر تو شکر گذاری کا جذبہ ان میں پیدا ہو گیا۔ اور وہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضور کے خاندان کے ساتھ ہی حضرت مولوی صاحبؓ اور اُن کے اہلبیت کی شکر گذار اور احسان مند ہوئیں۔ اس خلا ملا سے جہاں اُن کے کئی قسم کے خوف اور غلط فہمیاں اطمینان سے بدل گئے وہاں میرے مربیوں اور محسنوں نے والدہ کی طبیعت اور دلی کیفیت کا مطالعہ کر لیا۔ اور اس طرح تعلقات باہم خوشگوار ہو گئے۔

میری حالت بہتر اور رو بصحت دیکھ کر والدہ نے اس خواہش کا اظہار فرمانا شروع کیا۔ کہ میں چند روز اُن کے ہمرکاب وطن جاؤں۔ اور چونکہ میں بھی اب اُن کی طبیعت کا خوب اچھی طرح مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا تھا۔ کہ اب وہ بالکل بدل چکی ہیں۔ اور حالات وہ نہیں رہے جن کا مجھے اندیشہ تھا۔ میں نے اُن کی خوشی حاصل کرنے کی خاطر اُن کے ہمرکاب وطن چلے جانے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ مگر ساتھ ہی عرض کیا کہ میں چونکہ اپنی مرضی کا مالک نہیں۔ لہٰذا بہتر ہو کہ آپ سیدنا حضرت اقدس سے اس خواہش کا اظہار کر کے اجازت حاصل کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے میری تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے حضرت کے حضور حاضر ہو کر اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ حضورؑ پر نور نے حضرت مولوی صاحب سے مشورہ کے بعد جواب دینے کو فرمایا۔ اور آخر میرے ساتھ شیخ احمد دین صاحب ڈنگوی کو بھیجکر مجھے والدہ سمیت لائل پور پہنچا دیا۔ اخراجات سفر حضورؑ نے اپنی جیب سے مرحمت فرمائے۔ اور تاکید فرما دی۔ کہ والدہ کی خوشی اور رضامندی کا خیال رکھنا۔ اور ایسا اچھا نمونہ دکھانا۔ کہ ان لوگوں کے دل بھی نیکی کی طرف مائل ہوں۔ کوئی بات مرضی کے خلاف بھی ہو۔ تو ان کی خوشی کو مقدم کرنا۔ اور تکلیف اٹھا کر بھی اُن کی دلجوئی کرنا۔ آپکی جدائی کی وجہ سے واقعی ان کو بہت صدمہ ہے۔ اور وہ قابلِ رحم ہیں پس ان کی خدمت اور فرمانبرداری کر کے ان کی تکلیف کا ازالہ کرنے کی کوشش ضرور کرنا۔ اور جب وہ خوشی سے اجازت دیں واپس آجانا۔

اس طرح میری والدہ مجھے اپنے ساتھ لیجا کر ایسی خوش تھیں۔ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ سارے رنج و غم جو اس عرصہ میں انکو پہنچے تھے۔ آج کافور ہو گئے۔ اور وہ روتی ہوئی قادیان آئی تھیں۔ مگر خدا نے ہنسی خوشی انہیں واپس جانا نصیب کیا۔ والد صاحب بھی پہلی مرتبہ مجھے لیکر گئے تھے اور سیدنا حضرت اقدسؑ کی اجازت بلکہ حکم سے لیکر گئے تھے۔ اور آج والدہ محترمہ بھی مجھے لیجا رہی ہیں۔ اور وہ بھی حضورؑ کی اجازت ہی سے لیجا رہی ہیں۔ مگر ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق اور بُعد المشرقین تھا۔

بٹالہ سے چلکر لاہور گاڑی بدلتی تھی۔ جہاں اتنی بھیڑ اور رش تھا۔ کہ الامان الحفیظ، والدہ اور میں تو گاڑی میں سوار ہو گئے۔ مگر شیخ احمد دین صاحب رہ گئے۔ اور بمشکل دوسرے روز لائل پور پہنچے۔ سامان وغیرہ جو ان کے ساتھ پیچھے رہ گیا تھا پہنچا کر وہ اپنے وطن ڈنگہ ضلع گجرات چلے گئے۔ اور میں اپنے بھائی بہنوں سمیت اُسی چک (چک نمبر ۷۹) متصل لائل پور میں رہنے لگا۔ جہاں میرے وہ بزرگوار رسالدار چچا صاحب رہتے تھے جن کا واقعہ اوپر آچکا ہے۔

والدہ نے مجھے اپنے گھر میں رکھا۔ اور ہمت مردانہ سے رکھا۔ برادری کا خوف کیا نہ کسی طعن کی پرواہ کی۔ نہ صرف یہی کہ خود ہی مجھے کبھی میرے مذہب کے خلاف کچھ کہا یا میرے کسی عمل کو ناپسند کیا۔ بلکہ کسی رشتہ دار یا پڑوسی تک کو بھی ایسا کرنے کی اجازت نہ دی۔ طبیعت میری ابھی کمزور تھی۔ مناسب علاج اور غذا سے نہایت ہی شفقت اور محبت سے میری پرورش کی اور بڑے اہتمام سے میری ضروریات کا خیال رکھا۔ نمازیں گھر میں پڑھا کرتا تھا۔ کبھی بُرا منایا نہ پیشانی پر بل آنے دیا۔ بلکہ جگہ وغیرہ کا انتظام خود فرما دیتیں اور مناسب امداد خوشی سے فرماتیں۔ اسی سفر میں عید الضحیٰ مجھے آئی۔ تو قربانی کا انتظام بھی کرا دیا۔ اور خوشی سے کھایا کھلایا اور چونکہ اس زمانہ میں ابھی ہماری نمازیں غیر احمدیوں سے جدا نہ ہوئی تھیں گاؤں کی مسجد میں جاکر نماز ادا کرنے کیلئے خوشی سے اجازت دی۔ اس طرح کم و بیش ڈیڑھ ماہ میں اُن کے پاس رہا۔ والدہ محترمہ اور میرے بھائی بہنوں نے مجھ سے نہایت عزت و محبت کا سلوک کیا۔ اور کبھی بھی کوئی ایسی بات نہ ہونے دی۔ کہ میں اُسے ناپسند کرتا۔

والد صاحب بزرگوار اُن ایام میں وہاں نہ تھے۔ بلکہ میرپور چونکہ علاقہ ریاست جموں میں بسلسلہ ملازمت مقیم تھے اور اُن کو بھی میرے یوں گھر آنے کی اطلاع ہو چکی تھی۔ مگر انہوں نے بھی میری اس آمد کو بُرا نہ منایا۔ بلکہ خوشنودی اور پسندیدگی کی نظر ہی سے دیکھا۔ اور اس طرح مسلمان رہتے ہوئے میرے تعلقات اپنے والدین سے نیاز مندانہ اور والدین کے مشفقانہ ہو گئے۔ اور میرے آقائے نامدار کی زبان مبارک پر جو یہ مقولہ

"الاستقامۃ فوق الکرامۃ"

کبھی کبھی دورانِ تقریر میں جاری ہونے کی عزت پایا کرتا تھا۔ اپنی تاثیر اور پھل کے لحاظ سے صادق ہو کر نمودار ہو گیا۔ فالحمدللہ

اس طرح ایک لمبے عرصہ کی کشمکش اور شیطانی نزع سے طرفین کو نجات ملی۔ اور حضور پُر نورؑ کی توجہات کریمانہ سے بچھڑے ہوئے مل بیٹھے۔ اور وہ خلیج جو میرے اور میرے والدین اور رشتہ داروں میں دن بدن بڑھتی اور حائل ہوتی جا رہی تھی برسیلِ یزدانی، غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انفاس قدسیہ کی طفیل پھر سے پاٹ کر یک جان کر دی گئی۔ اور اس طرح

کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

شیطان مایوس ہوا۔ اور رحمت الٰہی کے فرشتے غالب ہو گئے اور بولو "مرزا غلام احمد کی جے" کے نعرے بلند ہونے لگے جس سے فضا گونج اٹھی۔ اور کرشن جی مہاراج کی سُریلی بنسری سے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ

کا سُریلا گیت گایا اور الاپا جانے لگا۔ الحمدللہ، الحمدللہ ثم الحمدللہ

اس سفر کے دوران میں والدہ مکرمہ نے جہاں اپنی ساعی کے تفصیلی اذکار سنائے۔ وہاں یہ بھی بتایا۔ کہ انہوں نے تعویذ گنڈے اور ٹونے ٹوٹکے کرنے میں بھی کوئی کسر نہ رکھی۔ ملاں ملانے اور سادھو جوگی جو بھی آیا۔ اس کے سامنے اپنا رونا رویا۔ اور پھر جو کچھ بھی کسی نے بتایا۔ مہیا کرنے کی کوشش کی۔ خرچ سے دریغ کیا نہ دوڑ دھوپ میں کوئی دقیقہ اٹھا رکھا سفید بے داغ مرغ پر وظیفہ پڑھنے والوں کے لئے سفید مرغوں کی تلاش کی۔ اس سے مختلف رنگ میں دم درود کرنے والوں کے حسب منشا سامان جمع کئے۔ الٹے چرخے چلایا کئے اور الٹی چکیاں پھرایا کیں۔ بعض کو تو مہینوں بٹھا بٹھا کر چلے کٹائے۔ مگر بنا کچھ بھی نہ۔ آخر ہار کر بیٹھ گئے۔ تھک کر رہ گئے اور یہ یقین کر لیا۔ کہ یہ باتیں بھی بے اثر اور محض کھانے کے حیلے تھے۔ ورنہ اگر ان چیزوں میں کچھ بھی اثر ہوتا۔ تو کیوں نہ ہماری مشکل حل ہوتی۔ جتنا خرچ ہم نے اٹھایا۔ جتنی سرگرمی ہم نے کی جتنے پیر فقیر، ملا ملانے اور جوگی سادھو کیا ہندو کیا مسلمان ہم نے منائے۔ ان کی کوئی انتہا نہیں۔

اچھا ہم اپنی قسمت پر خوش اور پرماتما کی مرضی پر راضی ہیں۔ ہوتی تھی سو ہو کر رہی۔ اب اس سے لڑا نہیں جا سکتا۔

قریباً عرصہ ڈیڑھ ماہ میں اپنی والدہ محترمہ کی خدمت میں رہنے کے بعد آخر اُن کی اجازت اور اذن اور اُن کی خوشنودی حاصل کرتے ہوئے واپس دارالامان آگیا۔ اور اس طرح اب میرے لئے بھی اور والدین کے واسطے بھی آمد و رفت کا راستہ کھل گیا۔ اور باوجود اختلاف عقائد اور مذہبی مغائرت کے میل ملاپ اور باہمی تعلقات اُس زمانہ سے ایسے خوشگوار ہو گئے۔ کہ میں بھی گاہ گاہ اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا اور خدمات بجا لاتا رہا۔ اور والدین اور بھائی بہنیں بھی اکثر میرے پاس آتے اور ملتے ملاتے۔ بلکہ بعض اوقات مہینوں میرے پاس آکر ٹھیرا کرتے رہے۔

لائل پور سے واپسی پر بعض دوستوں کی زبانی معلوم ہوا کہ عید الضحیٰ کے موقعہ پر یا اس کے اِدھر اُدھر سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تکیہ حسینا پر جہاں اُس

زمانہ میں عموماً عیدین اور نماز جنازہ ہؤا کرتی تھی۔ کوئی جنازہ پڑھایا جس کو ہم نے تو تمہارا جنازہ سمجھ کر پڑھا۔ اور دعائیں کی تھیں۔ میں چونکہ بیماری کی حالت ہی میں قادیان سے گیا تھا عام اطلاع نہ ہونے کے باعث بعض دوستوں کو یہی خیال گذرا۔ کہ عبدالرحمٰن فوت ہوگیا۔ اور اسی خیال کے غلبہ میں انہوں نے میرا ہی جنازہ پڑھا۔ مگر اللہ کریم نے اپنے فضل سے زندہ سلامت مجھے قادیان پہنچا کر حضرت اقدس کے قدوم میمنت لزوم میں لا ڈالا۔ (خواہش ہے۔ آرزو اور دعا ہے کہ اللہ کریم اپنے فضل سے انجام بخیر فرمائیں۔ اپنی رضا کا عالی مقام بخش کر حقیقی اسلام پر رکھتے ہوئے اپنی طرف بلائیں۔ اور اپنے پیارے اور خاص الخاص بندوں میں شامل کریں آمین)

اور پھر ایسا فضل کیا۔ اتنی ذرّہ نوازی فرمائی۔ اور ایسی عزت و سعادت بخشی۔ کہ حضور پُرنور سے کبھی جُدا نہ کیا۔ آخری سفر یعنی سفر لاہور میں بھی ہمرکابی کی عزت بخشی اور توفیقِ رفیق فرمائی۔ کہ جی کھول کر خدمت کروں۔ اور اس کے فضلوں سے جھولی بھر لوں۔ چنانچہ میرے آقا نے بھی مجھے نوازا اور اتنا نوازا کہ ہر موئے بدن اُن احسانات کے بار تلے جھکا اور سرِ تسلیم خم کئے ہے۔ ان الطاف کریمانہ اور نوازشات شاہانہ کی یاد دل کے ہر گوشہ میں تازہ اور جوشِ عقیدت و نیاز مندی میں وفا کی تمنا سے لبریز خون کو پانی کی طرح بہا دینے پر کمربستہ و تیار دیکھتا ہوں۔ ؎

این است کام دل اگر آید میسّرم

دھوکا خوردہ ہوگا وہ انسان اور شیطان کی زد کے نیچے ہوگا وہ بدقسمت شخص جو خدا کے کسی فضل یا انعام کو، اس کی کسی رحمت یا احسان کو اپنے کسی عمل کا نتیجہ، کوشش کا ثمرہ یا جدوجہد کا پھل سمجھ کر اکڑنے اور اترانے لگے۔ اور بجائے اس کے کہ شکرِ نعمت کیلئے سجدات میں گر گر اپنے نفس کو پہچانے، خودی و خودستائی کو چھوڑ کر اپنے اوپر ایک ایسی موت وارد کرے اور اس کی مرضی کے سامنے یوں گردن ڈال کر اپنے آپ سے اسلاح کھویا جائے۔ کہ وَمَا تَشَاؤُنَ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ کا مقدس مقام اُسے میسّر آجائے۔ اور خدا کے عرفان میں ترقی کر جائے۔ اُلٹا ابائی و استکبار کرے، احسان فراموش بنے اور محسنِ حقیقی سے اس طرح دور و مہجور ہو جائے۔

خدا کی عطا کو اپنی کرتوت کا پھل سمجھنے والا بیوقوف بجائے مقرب ہونے کے ملعون اور بجائے مقبول ہونے کے مردود ہوگا۔ اور اس ذات والاصفات کی موہبت اور بخشش کو اپنی کمائی کا نتیجہ سمجھنے والا خود پسند اور نفس پرست کبھی اس کی چوکھٹ تک بھی رسائی نہیں پا سکتا ؎

وہی اس کے مقرب ہیں جو اپنا آپ کھوتے ہیں
نہیں رہ اس کی عالی بارگاہ تک خود پسندوں کو

خدا کی کبریائی، جبروت اور عظمت، اس کی عزت جلال اور شوکت، اس کا کمال سطوت اور ہیبت جن مقدس ترین ہستیوں پر ظاہر ہو کر جلوہ گر ہوا۔ اور چمکا۔ وہ تو باوجود باکمال اور مظہرِ جمال و جلال ہونے کے بے اختیار پکار اُٹھے ؎

کرمِ خاکی ہوں میرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

اور چونکہ عارفین و کاملین کا یہ اعتراف حقیقت پر مبنی، اُن کے دل کی گہرائیوں کا آئینہ دار اور ہر قسم کی بناوٹ اور ریاکی ملونی سے کلیۃً منزہ تھا، علام الغیوب اور رازداں ہستی نے اُن کے دلوں کو جھانکا اور اُن کے اندرونہ دل کی نہاں در نہاں کیفیتوں پر نظر کر کے خود اپنے ہاتھ سے اُن کو اٹھا کر نوازا اور

”اَنْتَ وَجِيْهٌ فِيْ حَضْرَتِيْ اخْتَرْتُكَ لِنَفْسِيْ“

کا خطاب دیا۔ اور اسطرح دنیا جہان کیلئے ایک اسوہ قائم کر کے یہ عقدہ حل فرما دیا۔ کہ

جو میرے لئے موت اختیار کرتے ہیں میں ان کو ایسی
حیات بخشتا ہوں جس کے بعد پھر موت نہیں۔

اور

جو میرے لئے ذلت قبول کرتے ہیں۔ میں اُن کو ایسی عزت
عطا کرتا ہوں جس کے بعد کوئی ذلت نہیں۔

غرض خدا کی کسی نعمت کو بھی چھوٹا سمجھ کر غفلت کرنا اور شکرِ نعمت میں ہر وقت سرشار نہ رہنا۔ ایک روحانی موت کا مقام ہے اور اس کی کسی عطاء، انعام اور دَین کو اپنے کیے کا پھل، محنت کی کمائی یا علم و ہنر کا نتیجہ سمجھ لینا یقیناً بدنصیبی اور محرومی کا مترادف ہے۔ میں نے جو کچھ بھی لکھا۔ اور ظاہر کیا۔ کانپتے ہوئے دل اور لرزتے ہوئے ہاتھوں سے ڈرتے ڈرتے خدا کی بے نیازی اور نکتہ گیری سے کانپتے کانپتے کیا ہے۔ ورنہ ”من آنم کہ من میدانم“ والی بات ہے، کہاں میں کہ کفر و شرک کے اتھاہ گڑھے اور ظلمت و ضلالت کے بے پناہ سمندروں میں غرق، کہاں یہ فضل کہ نورِ ایمان عطا فرمایا نعمتِ اسلام بخشی۔ اور ایسا نوازا، ایسا نوازا کہ اس بزرگ و برتر ہستی کے قدموں میں لا ڈالا جس کی زیارت کیلئے لاکھوں نہیں کروڑوں صلحاء اور اولیاء امت ترستے ہی ترستے کوچ کر گئے یہ فضل۔ یہ کرم۔ یہ ذرہ نوازی یقیناً اور یقیناً سراسر احسان۔ سراپا فضل اور ابتداء تا انتہا موہبت اور بخشش ہی کا رنگ رکھتی ہے جس کیلئے میری روح آستانۂ الوہیت پر سربسجود ہے۔ اور اگر ہمیشہ ہمیش بھی اسی طرح پڑی رہے۔ تو شکرِ نعماء تو در کنار کسی ایک بھی فضل کا شکریہ ادا کرنے کے قابل نہ ہوگی۔

خدا اپنے فعلوں کیلئے پوچھا نہیں جا سکتا۔ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ۔ میں نہیں جانتا۔ کن باریک در باریک مصلحتوں اور حکمتوں کے ماتحت اللہ کریم نے میرے آقا فداہ روحی کی زبانِ فیض ترجمان پر وہ الفاظ جاری فرمائے تھے کہ

”ہمارا ہے تو آجائے گا“

اور پھر خطرناک سے خطرناک مشکلات اور بدترین حالات میں بھی خود اپنے دستِ قدرت و شفقت سے نکال کر مجھے حضورؑ کے قدموں میں لا ڈالا۔ اور ایسا رحم کیا۔ کہ پھر کبھی بھی جدا نہ ہونے دیا۔ حتیٰ کہ جب حضورؑ کو وصال کی تیاری کا فرمان ملا۔ اور رحلت کا یقین ہوگیا۔ اسوقت بھی حضور نے ذرہ نوازی فرمائی۔ اور نام لیکر یاد فرمایا۔ اور حافظ حامد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے جو اسوقت پہرہ پر تھے مجھ ناکارہ غلام کو باریابی کی عزت بخشی۔ رات بھر بلکہ اسوقت تک جب حضورؑ کی روح مبارک رفیق اعلیٰ کے وصال کیلئے بیقرار ہو کر پرواز کر گئی۔ مجھے خدمت اور قرب کا فخر عطا فرمایا۔ اور اس طرح اپنا بنا لینے کے بعد حضورؑ نے مجھے نہ چھوڑا۔

اور نہ جدا کیا۔ میری بدقسمتی کہ دردِ دل اور خونِ جگر کھا[...] رہ گیا۔ اور مجھ سے حقِ رفاقت ادا نہ ہو سکا۔

فانا للہ وانا الیہ راجعون

یہ حالات بہت ہی درد انگیز اور رقت آمیز ہیں [...] اور بیان کرنا کچھ آسان نہیں۔ کیونکہ اُن کے تصور ہی [...] اور کلیجہ مونہہ کو آنے لگتا ہے۔ اور وہ ایسے غمناک [...] واقعات ہیں۔ کہ بھاری مجاہدہ اور دل پر پتھر باندھ کر [...] یا بیان کیئے جا سکتے ہیں۔ دوسری طرف اس سفر کے [...] میں سے جہاں علم و عرفان کے خزانے، روحانیت [...] بے بہا موتی، خدا کی قدرت و جلال کے معجز نما اور خار[ق] [...] کرامات و آیات موجود ہیں۔ وہاں حضور پُرنورؑ کے بینظیر [...] اور اوصاف حمیدہ کے علاوہ حضورؑ کے حسن و احسان کی مثالیں اور زندہ نمونے بھی کثرت سے قابل ذکر ہیں۔ [...] ہوں اور حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ

اخلاقی کمال کا بلند معیار

جو خدا کے راستباز انبیاء اور مرسلین کو اللہ تعالیٰ کی [...] ودیعت کیا جاتا ہے۔ باقی تمام معجزات، خوارق، اور کرامات [...] اور ناقابلِ تردید معجزہ اور ثبوت ان کی صداقت کا ہؤا کرتا ہے [...] معجزات و کرامات بلکہ غیب پر مشتمل ناقابلِ انکار پیشگوئیاں [...] دعا اور شفاء امراض کے خوارق کے دائرہ میں منکروں کے لئے [...] کا میدان وسیع اور عذرات کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ مگر نہیں انکا[ر] [...] جا سکتا۔ نہیں تاویل کی جا سکتی اور ناقابلِ انکار صداقت یا دل [...] تصرف کر لینے والی مقناطیسی جذب کا خزانہ نہیں تو وہ اخلاق [...] فاضلہ ہی ہیں جو تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ کی صحیح تفسیر [...] دنیا جہان کے لئے اخلاقی معیار کے پرکھنے کی سچی کسوٹی ہو [...] حضورؑ کی طرف سے تکمیل تبلیغ اور اتمام حجت کی [...] کے علاوہ خود حضورؑ کا ذات باری تعالیٰ پر غیر متزلزل ایم[ان] [...] اس کی وحی پر کامل اور پختہ یقین۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ [و] [...] وسلم کی ذات والا صفات سے حقیقی عشق اور سچی محبت کیس[اتھ] [...] کامل اطاعت اور ایسی پوری پیروی کہ جس کے ذریعہ سے [...] خود اُن فیوض و برکات کے مورد بنے جو سرورِ دو جہاں میں [...] تھے۔ یہ اور ایسے اور بہت سے لطیف مضامین ہیں جن [...] میں سے ہر ایک جدا باب بلکہ علیحدہ کتاب کا محتاج ہے [...] اللہ تعالیٰ جس کو اور جس وقت اس خدمت کی سعادت نصیب کرے گا۔ خود روح القدس سے اس کی تائید و نصرت فرمائے گا۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

اس موقعہ پر ایک امر جس کے لیئے میرے دل میں جو[ش] [...] اور سینے میں درد رہ رہ کر اٹھتا ہے ظاہر کیئے بغیر نہیں رہ سکتا اور وہ یہ ہے۔ کہ

بھارت نواسیوں اور ہندو جاتی کے سارے ہی
سپوتوں خصوصاً موہیال متروں اور بزرگوں کے نام

ایک اپیل۔ ایک دردمندانہ اپیل لکھ کر دل کی لگی بجھا لوں اور قلبی خلش مٹا لوں۔ تا مجھ پر بخل کا الزام آئے نہ صداقت و راستی کے آبحیات کو چھپائے رکھنے کے جرم میں پکڑا جاؤں۔